بیادگار: حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ

خواتین کا ترجمان

ماہنامہ

# رضوان

لکھنؤ

جلد نمبر ۶۳

شمارہ نمبر ۶

جون ۲۰۱۹ء
June 2019

سالانہ زر تعاون

| | | |
|---|---|---|
| برائے ہندوستان | : | ۳۰۰/روپے |
| غیر ملکی ہوائی ڈاک | : | ۴۰/امریکی ڈالر |
| فی شمارہ | : | ۳۰/روپے |
| لائف ٹائم خریداری | : | ۸۰۰۰/روپے |

نوٹ

خط و کتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر اور مکمل صاف پتہ ضرور لکھیں، اگر مدت خریداری کے ختم ہونے کے وقت کی پرچی پتہ کی چٹ پر لگی ہو تو براہ کرم مدت خریداری ختم ہوتے ہی رقم ارسال فرمائیں۔ (منیجر)

ایڈیٹر

محمد حمزہ حسنی

مجلس ادارت

میمونہ حسنی — عائشہ حسنی

جعفر مسعود حسنی — محمود حسن حسنی

ڈرافٹ پر RIZWAN MONTHLY لکھیں

زر تعاون اور خط و کتابت کا پتہ

ماہنامہ رضوان
۱۷۲/۵۴، محمد علی لین گوئن روڈ لکھنؤ
پن کوڈ: ۲۲۶۰۱۸ - موبائل: ۹۴۱۵۹۱۱۵۱۱

Rizwan (Monthly)
172/54, Mohammad Ali Lane
Gwynne Road Lucknow
Pin:226018- Mobile: 9415911511

ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر محمد حمزہ حسنی نے مولانا محمد ثانی حسنی فاؤنڈیشن کے لیے نظامی آفسیٹ پریس میں چھپوا کر دفتر رضوان محمد علی لین سے شائع کیا

کمپوزنگ: ناشر کمپیوٹر، لکھنؤ۔ فون: 9792913331

E-Mail : azizpaitepuri@gmail.com

# فہرست مضامین


- اپنی بہنوں سے ..... مدیر ..... 5
- حدیث کی روشنی میں ..... امۃ اللہ تسنیم ..... 6
- آہ! برادر عزیز مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی مرحوم ..... حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ..... 8
- عورت کا مقام اور تصور اقبال ..... پروفیسر عبدالعظیم ..... 13
- تعلیم و تربیت، علمی و فکری مقام ..... مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی ..... 15
- میرے 'ابا' رحمۃ اللہ علیہ ..... سید خلیل احمد حسنی ندوی ..... 21
- چھوٹے ابا کی کچھ خصوصیات، کچھ یادیں ..... سید رشید احمد حسنی ندوی ..... 27
- ایک دلآویز و باوقار شخصیت اور مثالی مربی ..... شہاب الدین ندوی ..... 29
- فلک کا ستارہ، چراغ زمیں وہ ..... نتیجہ فکر: بنت سید عمار حسنی ..... 30
- 'پیارے ابا' رحمۃ اللہ علیہ ..... سید عبدالحی حسنی ندوی ..... 31
- کچھ یادیں، کچھ باتیں 'ابا' کی ..... سید محمد امین حسنی ندوی ..... 34
- آہ! چھوٹے ابا: چھ خوشگوار یادیں، کچھ نصیحتیں ..... سید سعید احمد حسنی ندوی ..... 38
- وہ رحمت میں اللہ کی سو گیا ہے ..... نتیجہ فکر: سید ابوالحسن علی بلال حسنی ..... 40
- سوال و جواب ..... مفتی راشد حسین ندوی ..... 41
- آخری صفحہ ..... مولانا قمر الزماں ندوی ..... 42

# اپنی بہنوں سے

ہماری ماؤں اور بہنوں کو یہ بات اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ ان کی عادتوں اور خصلتوں اور طرز زندگی اور گفتگو کے اثرات لازمی طور پر بچوں کے معصوم دل و دماغ میں پرورش پاتے ہیں اور دھیرے دھیرے ان میں پختگی آتی جاتی ہے۔ اگر مائیں اور بہنیں خود نیک ہوں گی اور ان کی نگاہ اور دل پاک ہوں گے، ان کی زندگی صاف ستھری ہوگی اور ان کے اعمال اچھے ہوں گے تو یقیناً بچے بھی ایسے ہی پاک وصاف اور اچھے ہوں گے اور وہ قوم و دولت کا سرمایہ ہوں گے۔

ان ہی اچھی ماؤں نے بڑے بڑے علماء اسلام کے سپاہی اور ملت اسلامیہ کے لیے قابل فخر فرزند دیئے۔ جن سے اسلام کی دینی علمی تاریخ آج تک روشن ہے اور ان میں سے ہر ایک کی حیثیت منارۂ نور کی ہے۔ اور ان ممتاز افراد کی فہرست اگر بنائی جائے تو قلم کی روشنائی خشک ہو جائے گی اور سب نام تحریر میں نہ آسکیں گے۔

یہ سلسلہ صدیوں تک چلا اور جب تک اسلام کے اصولوں پر ہماری مائیں چلتی رہیں ایسے روشن ستارے پیدا ہوتے رہے لیکن جب سے اسلامی تہذیب کی جگہ مغربی تہذیب نے لی اور بداخلاقی، بے حیائی کا طوفان وہ اپنے ساتھ لائی فحش لٹریچر، عریاں کتابیں ناول اور افسانے گھروں میں داخل ہوئے تو انہوں نے قلب و دماغ کی معطر دنیا کو الٹ کر رکھ دیا اور دین کے بجائے بے دینی، حیا کے بجائے بے حیائی اور بے شرمی، اللہ کے ذکر کے بجائے دنیا کی فکر، ایمانداری کے بجائے بے ایمانی اور حرص وہوس نے ڈیرے ڈال دیئے۔

آج حالت یہ ہے کہ صبح کے وقت مسلمان محلوں سے گزرے تو جہاں پہلے گھر گھر سے تلاوت قرآن مجید کی آواز آتی تھی وہاں فلمی گانوں کی صدائیں آتی ہیں۔ اور جہاں ذکر رسولؐ ہوتا تھا وہاں اب ہر وقت دولت کی باتیں ہوتی ہیں۔

اس کے بعد بھی ہم اپنی اصلاح فکر کرنے کے بجائے اللہ کی رحمت نہ آنے کا شکوہ کرتے رہتے ہیں۔ خدا کے لئے اللہ کی طرف لوٹو اور شیطان سے منہ موڑو۔

حدیث کی روشنی میں

# صبح وشام ذکر کی فضیلت کا بیان

امۃ اللہ تسنیم

**سبحان اللہ و بحمدہ**

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ صبح وشام سو مرتبہ پڑھتا رہے گا تو قیامت کے دن اس سے افضل کوئی نہ ہوگا ہاں وہی ہوسکتا ہے جو اسی کے مثل عمل کرے یا کچھ زیادہ کرے۔ (مسلم)

**حشرات الارض وغیرہ سے حفاظت**

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بچھو نے مجھے آج رات کو ڈس لیا، اس سے مجھے انتہائی اذیت پہنچی، آپؐ نے فرمایا اگر تم یہ کلمات رات کو کہہ لیتے اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ (میں اللہ کے پورے کلموں کے ساتھ اس چیز کی برائی سے پناہ مانگتا ہوں جو اس نے پیدا کی)۔ تو تم اس مصیبت سے ضرور محفوظ رہتے۔ (مسلم)

**صبح کا ذکر**

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح ہوتی تھی تو یہ کہا کرتے تھے۔ اَللّٰھُمَّ بِکَ اَصْبَحْنَا وَ بِکَ اَمْسَیْنَا، وَ بِکَ نَحْیَا وَ بِکَ نَمُوْتُ وَ اِلَیْکَ النُّشُوْرُ۔

ترجمہ: اے اللہ تیری قدرت کے ساتھ ہم نے صبح کی اور تیری ہی قدرت سے ہم نے شام گزاری اور تیری ہی قدرت سے ہم زندہ رہے اور تیری ہی قدرت سے ہم مرتے ہیں اور مرنے کے بعد تیری ہی طرف پلٹنا ہے۔ اور شام کو یہ فرماتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ بِکَ اَمْسَیْنَا، وَ بِکَ نَحْیَا وَ بِکَ نَمُوْتُ وَ اِلَیْکَ الْمَصِیْرِ۔

ترجمہ: اے اللہ تیری قدرت سے ہم نے شام کی اور تیری ہی قدرت سے ہم زندہ رہتے ہیں اور تیری ہی قدرت سے ہم مرتے ہیں اور تیری ہی طرف ہمارا ٹھکانا ہے۔ (ابوداؤد۔ ترمذی)

**صبح و شام کا ذکر**

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ مجھے ایسے کلمات بتادیں جو میں صبح وشام پڑھا کروں، آپ نے فرمایا تم صبح وشام اور سوتے وقت یہ کلمات پڑھ لیا کرو۔ اَللّٰھُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ رَبَّ کُلِّ شَیْءٍ وَ مَلِیْکَہٗ، اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ، اَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ وَ مِنْ شَرِّ الشَّیْطَانِ وَ شِرْکِہٖ۔

ترجمہ: (اے اللہ آسمانوں زمین کے پیدا کرنے والے۔ اور ظاہر و پوشیدہ کے جاننے والے اور اے ہر چیز کے رب اور ہر چیز کے مالک میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں اپنے نفس کی برائی سے اور شیطان کی برائی سے اور اس کے شر کی ترغیب دینے سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ (ابوداؤد۔ ترمذی)

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شام کو یہ فرماتے تھے۔ اَمْسَیْنَا وَاَمْسَی الْمُلْکُ لِلّٰہِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ، لَا شَرِیْکَ لَہٗ۔

(ترجمہ: ہم نے شام کی اور اس وقت بھی سلطنت اللہ ہی کی ہے۔ سب تعریف اللہ کے لئے ہے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اکیلا ہے۔ کوئی اس کا شریک نہیں) راوی کہتے ہیں کہ مجھے یاد پڑتا ہے کہ یہ الفاظ بھی آپ نے ملا لیے تھے۔ لَہُ الْمُلْکُ وَ لَہُ الْحَمْدُ وَ ھُوَ عَلٰی کُلِّ

شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ رَبِّ اَسْئَلُكَ خَیْرَ مَافِیْ هٰذِهِ اللَّیْلَةِ وَ خَیْرَ مَا بَعْدَهَا، وَ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا فِیْ هٰذِهِ اللَّیْلَةِ وَ شَرِّ مَا بَعْدَهَا، رَبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْكَسَلِ وَ سُوْءِ الْكِبَرِ وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ النَّارِ وَ عَذَابِ فِیْ الْقَبْرِ۔

(ترجمہ: اسی کا ملک ہے اور اسی کی تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اے رب میں تجھ سے سوال کرتا ہوں، اس چیز کی بھلائی کا جو اس رات میں ہے اور جو اس کے بعد ہے۔ اے رب میں تجھ سے پناہ چاہتا ہوں اس چیز کی برائی سے جو اس رات میں ہے اور جو اس کے بعد ہے اور اے رب میں سستی سے اور بڑھاپے سے پناہ مانگتا ہوں اور دوزخ کی آگ سے، قبر کے عذاب سے پناہ مانگتا ہوں) اور صبح کو یہ فرماتے تھے۔ اَصْبَحْنَا وَاَصْبَحَ الْمُلْكُ لِلّٰهِ۔

(ترجمہ: ہم نے صبح کی اور اللہ کے ملک نے صبح کی) (مسلم)

حضرت عبداللہ بن خبیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا تم صبح وشام تین مرتبہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور معوذتین یعنی قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھ لیا کرو تو یہ ہر چیز سے تم کو کفایت کریں گی۔ (ابوداؤد۔ ترمذی)

حضرت عثمانؓ بن عفان سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ہر روز صبح وشام تین مرتبہ یہ پڑھ لیا کرے اس کو کوئی چیز نقصان نہ پہنچائے گی۔ بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَا یَضُرُّ مَعَ اِسْمِهٖ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَاءِ وَ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔

(ترجمہ: اللہ کے نام سے جس کے نام کے ساتھ زمین و آسمان کی کوئی چیز نقصان نہیں پہنچاتی اور وہی سننے والا اور جاننے والا ہے)۔

## بستر پر

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اور ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بستر پر تشریف لاتے تھے تو فرماتے تھے۔ بِاسْمِكَ اَللّٰهُمَّ اَحْیَا وَ اَمُوْتُ۔

ترجمہ: اے اللہ میں تیرے نام کے ساتھ جیتا اور مرتا ہوں (یعنی سوتا اور جاگتا ہوں) (بخاری)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا جب تم دونوں لیٹنے لگو تو تینتیس بار اللہ اکبر اور تینتیس بار سبحان اللہ اور چونتیس بار الحمدللہ پڑھ لیا کرو۔

اور ایک روایت میں سبحان اللہ چونتیس بار آیا ہے اور ایک روایت میں اللہ اکبر چونتیس بار آیا ہے۔ (بخاری۔ مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی اپنے بستر پر لیٹنے کی غرض سے آئے تو اُس کو پہلے لنگی سے خوب جھاڑ لے اس لئے کہ اس کو نہیں معلوم کہ اس کے بعد کوئی چیز پڑ گئی ہو۔ پھر یہ دعا پڑھے۔ بِاسْمِكَ رَبِّیْ وَضَعْتُ جَنْبِیْ، وَ بِكَ اَرْفَعُهٗ، اِنْ اَمْسَكْتَ نَفْسِیْ فَارْحَمْهَا وَ اِنْ اَرْسَلْتَهَا فَاحْفَظْهَا بِمَا تَحْفَظُ بِهٖ عِبَادَكَ الصَّالِحِیْنَ۔

(ترجمہ: اے میرے پروردگار تیرے نام کے ساتھ میں نے اپنے پہلو رکھے اور تیرے نام کے ساتھ اس کو اٹھاؤں گا۔ اگر تو نے میری جان کو روک دیا (یعنی زندہ رکھا) تو اس کو گناہوں اور بلاؤں سے بچا جیسے تو اپنے نیک بندوں کو بچاتا ہے۔ (بخاری۔ مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب لیٹنے کا ارادہ فرماتے تو قل ھو اللہ احد اور معوذتین پڑھ کر اپنے دونوں ہاتھوں پر دم کر کے بدن مبارک پر پھیر لیتے تھے۔ (بخاری۔ مسلم)

انہیں (بخاری اور مسلم) دونوں کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر رات کو جب اپنے بستر پر تشریف لاتے تھے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ۔ پڑھ کر دونوں ہاتھوں کو ملا کر اس پر دم کرتے، پھر اپنے تمام جسم پر جہاں جہاں ہاتھ پہنچ سکتا تھا پھیرتے تھے، سر اور چہرۂ مبارک سے پھیرتے ہوئے نیچے تک پہنچ جاتے تھے اور تین مرتبہ اسی طرح کرتے تھے۔ (بخاری۔ مسلم)

○○○

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی: ناظم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

# آہ! برادر عزیز
# مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی مرحوم

(پیدائش ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۹۳۳ء وفات ۱۴۴۰ھ مطابق ۲۰۱۹ء)

برادر عزیز مولانا سید محمد واضح رشید (محمد الخامس) ندوی مولانا سید خلیل الدین حسنی مرحوم (متوفی ۱۳۳۲ھ) کے پوتے اور حضرت مولانا سید عبدالحی حسنیؒ (سابق ناظم ندوۃ العلماء) (متوفی ۱۹۲۳ء) کے نواسے ہیں۔ تکیہ کلاں دائرہ شاہ علم اللہ رائے بریلی میں ۲۰/نومبر ۱۹۳۳ء مطابق ۳/شعبان ۱۳۵۲ھ میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم گھر میں اپنے پھوپھا مولانا عزیز الرحمٰن حسنی مرحوم سے اور اپنی خالہ محترمہ سیدہ امۃ اللہ تسنیم صاحبہ سے پائی، دوسری طرف نانی صاحبہ سیدہ خیر النساء بہتر مرحومہ کی شفقت و تربیت ملی اور مدرسہ الٰہیہ شہر رائے بریلی میں داخلہ لیا جہاں خاندان کے ہم عمروں کے ساتھ کچھ درجوں میں پڑھا اور ثانوی و اعلیٰ تعلیم دارالعلوم ندوۃ العلماء میں حاصل کی۔ عالمیت کے بعد ادب میں تخصص کیا اور بیعت و ارادت کا تعلق حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ سے قائم کیا اور ان کی خدمت میں ۱۹۵۲ء میں مسوری کا رمضان گزارا، اور ان کے بعد دینی و روحانی سرپرستی حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ سے حاصل کی جن کے خطوط کا معتد بہ حصہ ان کے پاس محفوظ رہا، علمی، فکری اور دعوتی تربیت آپ نے اپنے بڑے ماموں حضرت مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی سابق ناظم ندوۃ العلماء اور دوسرے ماموں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی سے حاصل کی، برادر معظم مولانا سید محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ کی فکر و توجہ بھی حاصل ہوئی۔

۱۹۵۳ء تا ۱۹۷۳ء دہلی کا قیام رہا، پھر دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تدریسی خدمات انجام دینے لگے، اسی سال بیت اللہ شریف کا سفر اپنے ماموں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے ساتھ کیا اور حج کی سعادت حاصل کی، اور اس میٹنگ میں بھی شرکت کی جس میں شاہ فیصل بن عبدالعزیز مرحوم بادشاہ سعودی عرب کی سربراہی میں عالم اسلام کی سربرآوردہ شخصیات نے شرکت کی تھی۔ اس کے علاوہ متحدہ عرب امارات، مصر، ترکی، برطانیہ، اردن، یمن، کویت، پاکستان، بنگلہ دیش، نیپال وغیرہ کے اہم علمی، ادبی، دعوتی سفر کئے، اور عالمی رابطۂ ادب اسلامی کی تاسیس ۱۹۸۴ء کے وقت سے اس کے رکن اور مجلس ابناء کے ممبر منتخب ہوئے اور پھر نائب سکریٹری اور ممالک شرقیہ کے سکریٹری مقرر ہوئے۔ ۱۹۸۲ء میں مدرسہ فلاح المسلمین رائے بریلی کے ناظم ۱۰۰۶ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے معتمد تعلیم مقرر ہوئے اور تاحیات اس منصب پر فائز رہے۔

جہاں تک میرے اور میرے بھائیوں کی تعلیم و تربیت کا تعلق ہے، یہ وہ زمانہ تھا جب دینی تعلیم سے عمومی بے توجہی اور غفلت تھی لوگ مغربی نظام کی طرف لپک رہے تھے یا تعلیم پر جہالت کو ترجیح دے رہے تھے اور پھر کمیونزم کی اثر کی وجہ سے دین اور دینی تعلیم کا دین والوں کا تمسخر عام بات تھی اپنے ماموں کا خالص دینی طرز زندگی اور مکمل اسلامی نظام تعلیم و تربیت تھا ان حالات میں میرے والدین نے معاشی ضرورتوں کے باوجود ہم لوگوں کے لئے خالص دینی طرز زندگی اختیار کرنے کی ہمت کی جب کہ دینی تعلیم کو دنیاوی اعتبار سے ناکامی کی علامت سمجھا جاتا تھا والد ماجد سید رشید احمد حسنی مرحوم

سننے اور بولنے کی صلاحیت نہ ہونے کی بنا پر اولاد کی دنیاوی اور معاشی بہتری کے زیادہ قائل ہونے کی لائق تھے اور ہر باپ اپنی اولاد کے مستقبل کی کامیابی کا خواہشمند ہوتا ہے اور اگر اس کی کچھ معذوری ہو تو اس کا یہ چاہنا بڑھ جاتا ہے لیکن انہوں نے اس کی پرواہ نہیں کی اور دینی تعلیم جو اس زمانہ میں دنیوی اعتبار سے ناکامی کی علامت سمجھی جاتی تھی اپنی اولاد کے ماموں مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنیؒ جو کہ اس وقت ندوہ کے ناظم اور ان کے بے تکلف اور ہم عمر تھے اور دوسرے ماموں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی جو اس وقت دارالعلوم ندوۃ العلماء کے اہم استاذوں میں تھے کے اختیار میں دے دی اس طرح مجھ کو اور میرے بھائیوں کو دینی تعلیم کی راہ اختیار کرنے کی سعادت ملی اور والد صاحب ہم لوگوں سے صاف طور پر یہ کہتے تھے کہ علی یعنی مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کو نمونہ بنانا والدہ ماجدہ سیدہ امۃ العزیز مرحومہ پوری توجہ قلبی سے دعائیں مانگتی اور ان کی فکر زیادہ تر اپنی اولاد کی دینی ترقی و کامیابی صلاح و نیک شہرت کی رہتی مال و دولت اور دنیاوی منافع کا زیادہ حصول ان کی نظر میں ترجیحی بات نہ تھی ان کو اپنے ماں باپ کے گھر میں اسی طرح کی تربیت ملی تھی بہت محبت اور تعلق کے باوجود کسی غلط کام میں پڑ جانے پر سخت انداز اختیار کرتی کسی کے ساتھ زیادتی کرنے یا بڑوں کی اطاعت میں کوتاہی پر رحم و محبت کا جذبہ ظاہر نہ ہوتا اور کوئی عزیز کسی غلطی پر ان کو تنبیہ کرتا تو اس پر ذرا بھی ناپسندیدگی ظاہر نہ کرتی۔ ایک بار عزیزی واضح مرحوم کو ان کے ایک استاد نے تھوڑا زیادہ مارا جس سے ان کو زخم ہو گیا لیکن انہوں نے ذرا بھی ناگواری ظاہر نہ ہونے دی اور اس کو تربیت کی مصلحت سمجھا خود واضح مرحوم کے اندر یہ سعادت مندی تھی کہ انہوں نے اس کو اپنے لئے فال نیک سمجھا اور والدین کی بعض مرتبہ سرزنش پر بھی ان کو اپنی سعادت کی بات محسوس ہوئی اور اس سے ان کے اندر تعلق میں اور اضافہ ہوا والدین اور اساتذہ کا ان کے ساتھ اس تعلق اور جذبہ احسان مندی نے ان کو بڑی ترقیات عطا کی ہم لوگوں کے لئے یہ خوش نصیبی کی بات تھی کہ اس دور میں ہمارے والدین نے ہمیں خالص دینی ماحول کے حوالہ کیا جب دینی تعلیم کی طرف جانے والے کو دنیاوی لحاظ سے بالکل ناکام اور دنیاوی وسائل سے محروم ہو جانے والا سمجھا جاتا تھا یہ دنیاوی لحاظ سے وہ قربانی تھی جو ماں باپ کے لئے ایسے حالات میں آسان نہ تھی پھر جب کہ ذرا آمدنی کم اور تنگ تھی اور ان کے بڑے صاحبزادے یعنی ہم بھائیوں میں سب سے بڑے بھائی سید محمود حسن مرحوم بہت بیمار رہتے تھے اور پھر عین جوانی ۲۱ سال کی عمر میں ۱۹۴۲ء میں ان کی وفات ہو گئی تھی اس وقت ان سے چھوٹے اور مجھ سے بڑے بھائی مولانا سید محمد ثانی حسنی ۱۷ سال کے تھے اور ندوہ میں پڑھ رہے تھے میری عمر ۱۳ سال کی تھی اور عزیزی واضح مرحوم کی عمر صرف ۹ سال یا اس سے کم تھی، پھر دو سال کے بعد میرے بڑے بھائی مولانا محمد ثانی حسنی ندوہ سے تعلیم پوری کر کے مظاہر علوم سہارنپور چلے گئے اور عزیزی واضح مرحوم رائے بریلی سے لکھنؤ آ گئے اور جب ندوہ میں داخلہ لیا تو ان کی عمر صرف ۱۱ سال تھی اور ابتداء میں ہی ان کو جامع ازہر سے آئے ہوئے دو ممتاز استاذ مولانا عمران خان ندوی ازہری اور مولانا محبوب الرحمٰن ازہری ملے جو عربی تکلم کے ساتھ جدید طرز میں تعلیم دیتے تھے جس کا ان کو بڑا فائدہ حاصل ہوا اور ان کی بنیاد مضبوط ہو گئی جس نے آخر تک ان کو بہت فائدہ پہنچایا۔

قرآن مجید حدیث شریف اور فقہ کی تعلیم بھی انہوں نے ممتاز اساتذہ سے حاصل کی اور دوسرے علوم و فنون میں بھی انہیں ماہر استاذ ملے خال معظم حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے ان کے لیے مطالعہ کا ایک چارٹ بنایا تھا اور ان کی نگرانی میں انہوں نے مختلف علوم و فنون کی اہم کتابیں اور فکر اسلامی و تاریخ کا اچھا مطالعہ کیا تھا اس کے ساتھ انہوں نے انگریزی کی اچھی صلاحیت پیدا کی تھی اور اس کے لئے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں امتحان بھی دیا تھا اور اچھے نمبرات بھی حاصل کئے تھے ان کو اپنی اس جامعیت کا فائدہ دہلی میں آل انڈیا ریڈیو سے وابستگی میں خوب ملا اور بلاد عربیہ و ممالک اسلامیہ کی

ممتاز شخصیات اور سربرآوردہ لوگوں سے ملاقات وتبادلہ خیال کے اچھے مواقع ملے اور برابر انہوں نے عصری مطالعہ جاری رکھا اور اپنے معاصر علماء میں اس ناحیہ سے تفوق حاصل کیا جس کا انہوں نے عصری صحافت میں اپنی صلاحیتوں سے خوب کام لیا ان کی اس صلاحیت وجوہر کو دیکھتے ہوئے خال معظم حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی ان کو اپنے بعض ممالک اسلامیہ و بلاد عربیہ کے سفروں میں ساتھ لے گئے ان میں پانچ ملکوں اردن، یمن، سعودی عرب، کویت اور پاکستان کا ایک اہم سفر جو بڑا یادگار سفر رہا جس میں عالم اسلام وبلاد عربیہ کی قدآور اور منتخب شخصیات کو قریب سے دیکھنے اور ان سے استفادہ کے ساتھ سربرآوردہ شخصیات سے بھی فائدہ اٹھانے کا موقع ملا سعودی عرب میں شاہ فیصل شہید سے ایک اہم ملاقات میں بھی وہ ساتھ رہے تھے اور شیخ الازہر شیخ عبدالحلیم محمود کی دعوت پر ان کا اور ان کے ساتھ مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی کا ندوۃ العلماء کی طرف سے ایک اہم سفر ۱۹۷۸ء میں ہوا تھا جس میں مصر کی بڑی اہم دینی علمی، سیاسی اور تحریکی شخصیات سے ملنے اور تبادلہ خیال اور ملاقات کے اچھے مواقع ملے تھے ان کا یہ سفر سعودی عرب کے راستہ ہوا تھا وہاں بھی مملکت کی اہم سیاسی دینی علمی اور دعوتی شخصیات سے ملاقاتیں کی تھیں اور عالم اسلام کے قضایا پر تبادلہ خیال کیا تھا رابطہ ادب اسلامی عالمی کے قیام کے وقت سے ہی وہ اس کے اہم رکن اور اس کی مجلس امناء کے بھی رکن تھے اور جب اس کے لئے ۱۴۰۴ھ مطابق ۱۹۸۴ء میں مکہ معظمہ میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی خدمت میں سعودی عرب کی مختلف یونیورسٹیوں کے ممتاز اہل علم وادب اس فکر کو عملی جامہ پہنانے کے لیے جمع ہوئے تو وہ بھی اس مجلس میں تھے اور اس سے پہلے ۱۴۰۱ھ مطابق ۱۹۸۱ء میں ندوۃ العلماء میں بین الاقوامی مذاکرہ ادبیات اسلامی کا انعقاد ہوا تو اس میں ان کا اہم کردار رہا اور وہ اس کی تجاویز کمیٹی کے بھی ممبر تھے اس کے علاوہ ۱۹۷۷ء میں مکہ معظمہ میں بین الاقوامی تعلیمی کانفرنس میں جس کا رابطہ عالم اسلامی مکہ معظمہ نے انعقاد کیا تھا انہوں نے اپنے اہم مقالہ کے ساتھ شرکت کی تھی اور رابطہ ادب اسلامی کے سبھی سمیناروں اور کانفرنسوں میں وہ بڑے جذبہ اور فکرمندی کے ساتھ نہ صرف شرکت کرتے تھے بلکہ دوسروں کو بھی آمادہ کرتے اور نوجوانوں کو بھی آگے کرنے کی فکر کرتے اور ان کو کام سپرد کرتے مقالہ بھی لکھواتے اور جب حضرت مولانا ابوالحسن علی حسنی ندوی کی وفات کے بعد شعبہ برصغیر کی نگرانی وذمہ داری ان کے سپرد ہوئی تو ان کی توجہ اور بڑھ گئی تھی آخری سمینار جس میں انہوں نے شرکت کی وہ بھٹکل کا تھا جو رابطہ ادب اسلامی کے بانی صدر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی علمی ادبی ودعوتی خدمات اور کارناموں پر منعقد ہوا تھا جس میں بین الاقوامی نمائندگی تھی اور یہ بہت کامیاب سمینار تھا اس کے بعد ایک اہم سمینار بچوں کے ادب پر مولانا سراج الدین ندوی کی خواہش پر بجنور میں ہوا جس کی انہوں نے منظوری دی تھی لیکن وہ اپنی کمزوری صحت کی وجہ سے اور میں بھی شرکت سے معذور رہا تھا اور دو مہینہ کا عرصہ ہی گذرا کہ وہ اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔

دہلی کے قیام کا زمانہ ان کے لئے بعض حیثیتوں سے مفید ہوا جہاں انہیں اہل دین و دعوت سے استفادہ کا اچھا موقع ملا تھا اور سہارنپور قریب ہونے کی وجہ سے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی کی خدمت میں برابر حاضری کی سعادت کچھ کچھ وقفہ سے ہوتی رہی اور اس کی وجہ سے ان کی انہیں اچھی توجہ اور رہنمائی ملتی رہی اور انہی کے مشورہ سے دلی کا بیس سالہ قیام ترک کر کے لکھنؤ کا قیام اور ندوۃ العلماء سے وابستگی ۱۹۷۳ء سے اختیار کی جہاں انہیں تدریسی مشغولیت کے ساتھ دعوتی مشغولیت بھی ملی اور البعث الاسلامی اور الرائد کے ذریعہ ان کو صحیح دینی فکر کے دور دور تک پہنچانے کا موقع ملا اور اس خلا کو بھی پُر کرنے کی کوشش کی جو برادر عزیز مولانا سید محمد الحسنی مرحوم کی وفات ۱۳۹۹ھ مطابق ۱۹۷۹ء) سے پیدا ہوا تھا بعد میں مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی مرحوم (۱۴۲۶ھ مطابق ۲۰۰۶ء) معتمد تعلیم ندوۃ

العلماء کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا وہ بھی ان کے ذریعہ پُر کیا گیا جس کے لئے مجلس انتظامی ندوۃ العلماء نے ان کا بالاتفاق انتخاب کیا تھا نصاب و نظام تعلیم و تربیت میں ان کے مشوروں سے حتی الامکان فائدہ اٹھانے کی کوشش کی گئی جس کے اچھے نتائج نظر آرہے ہیں اس کے ساتھ تدریسی و محاضرات کا سلسلہ انہوں نے آخر تک قائم رکھا۔

ان کو اپنی زندگی میں جن مراحل سے گذرنا ہوا اس میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ان کو اچھا کردار ادا کرنے کا موقع ملا ان کو عربی کی اچھی استعداد حاصل کرنے کے بعد ابتدائی تدریس کا موقع ملا لیکن اسی کے ساتھ اپنی انگریزی کو بہتر بنانے کا بھی تقاضا ہوا جس سے ان کو اپنی عربی صلاحیت کی بناء پر جب ریڈیو کے عربی شعبہ میں کام کا موقع ملا تو ان کو عربی اور انگریزی دونوں ماحول کو سمجھنے کا موقع ملا اور بیرونی سازشوں یا خود اسلام کے سلسلہ میں جو نقصان دہ کوششیں قابل فکر تھیں اس سے بھی واقفیت میں آسانی ہوئی ریڈیو کا ماحول نہایت مغربی انداز کا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو اس نقصان سے محفوظ رکھا اور وہ اس سے بچنے کا کام حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق رکھنے اور تبلیغی مرکز نظام الدین میں آنے جانے سے لیتے رہے اور یہ تعلق اتنا بڑھا کہ انہوں نے دہلی کی اہم ملازمت کو ترک کر کے ندوۃ العلماء کی معمولی تنخواہ کی ملازمت کو ترجیح دیا اور ہزار کی گنتی کو سو کی گنتی میں لے آئے یہ ایسی قربانی تھی جو ان کے دینی فائدے کا ذریعہ بنی پھر ندوہ آکر جو عالم اسلام اور عالم عربی کے سازشی حالات تھے ان کی جو معلومات ان کو تھیں اور فکر اسلامی و فکر غربی کا جو ٹکراؤ تھا اس سے واقفیت سے انہوں نے اپنے طلباء کو مستفید کیا جس کا اعتراف اور قدر دانی کا اظہار ان کی وفات پر اکثر تعزیت ناموں میں ملتا ہے انہوں نے اپنی زندگی مین سنجیدہ اور علمی انداز رکھا جس کا اظہار و قدر دانی کا تذکرہ ان سے فائدہ اٹھانے والوں کی تحریروں میں ملتا ہے انہوں نے ندوۃ العلماء اور عصری خصوصیات کا جامع ہونے کا نمونہ پیش کیا وہ بالآخر معتمد تعلیم منتخب ہوئے اور اس منصب کو بھی انہوں نے ذمہ داری اور مثبت انداز سے پورا کیا۔

دعوت و تبلیغ دین کی عملی جدوجہد میں بھی انہوں نے حصہ لیا تھا اور دعوت و تبلیغ کی بڑی شخصیات حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی اور حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلوی رحمہما اللہ کے ساتھ اس کے لئے ملک کے مختلف حصوں کے دورے بھی کئے تھے جن میں جنوب ہند، کرناٹک، کیرالہ، تمل ناڈو وغیرہ اور گجرات کے تبلیغی سفر اور دہلی اور اس کے مضافات و اطراف کے بڑے اجتماعات میں شرکت کے سفر بڑے اہمیت کے حامل ہیں اس کے علاوہ تصنیف و تالیف کے ذریعہ انہوں نے جو خدمات انجام دیں اس کا اعتراف ملک اور بیرون ملک سے باہر اہل علم و دانش کی طرف سے مضامین و مقالات و تاثرات کی شکل میں خوب ہو رہا ہے، جب کہ اپنی چیزوں کی اشاعت اور انہیں سامنے لانے میں ان کو ہمیشہ تکلف ہوتا تھا اور لوگوں کے بہت تقاضا پر ہی وہ اس کے لئے تیار ہوتے تھے اس کے ساتھ افراد کو تیار کرنے کا ان کا عمل ایک الگ خصوصیت کا حامل عمل تھا ان کی تصنیفات میں ایک یادگار کام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی ''رجال الفکر والدعوۃ فی الاسلام'' کی تکمیل ہے جو اس کے جز خامس (پانچویں حصہ) کے طور پر ''الامام احمد بن عرفان الشہید'' سامنے آئی اور مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ اور شام کے دارالاشاعت دار ابن کثیر سے شائع ہو کر مقبول ہوئی، اس کے علاوہ ''تاریخ الثقافۃ الاسلامیہ، تاریخ الادب العربی، اعلام الادب العربی، مصادر الادب العربی'' ان کی نصابی کتابیں ہیں اور ''ادب اہل القلوب'' ان کے بعض ان مقالات کا مجموعہ ہے جو رابطہ ادب اسلامی کے سمیناروں کے لئے لکھے گئے تھے جسے بعض مضامین کے اضافہ کے ساتھ شائع کیا گیا یہ کتاب بھی اہل علم و ادب کے حلقوں میں پسند کی گئی ''الرحلات الحجازیہ'' بھی ایک کتاب ہے جس میں ممتاز اہل قلم کے حجاز مقدس کی حاضری کے تاثرات پیش کئے گئے ہیں ان کی فکری کتابوں میں ''الی نظام عالمی جدید''

اور ''الغزوالفکر'' کی بھی بڑی پذیرائی ہوئی ''قضیہ فلسطین'' کا رسالہ بھی بہت مقبول ہوا جو اردو زبان میں ہے اور بہت معلومات افزاء ہے اس کے علاوہ حدیث شریف سے متعلق ان کے دو رسالہ ہیں جنہیں حدیث شریف کے مطالعہ کے دوران ان کو انتخاب کر کے پیش کرنے کا خیال آیا ایک کا تعلق شمائل نبوی سے ہے اور دوسرے کا تعلق عام انسانی و دینی تقاضوں وحقوق سے ہے ان کی آخری کتاب جو ان کے سامنے وفات سے دو تین دن پہلے شائع ہو کر آئی تھی وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مثالی زندگی ہے جو پہلے عربی میں شائع ہو چکی تھی اور اردو ایڈیشن کا انہیں شدت سے انتظار تھا جس کا مقدمہ خود ان کے لائق و سعید فرزند مولوی سید جعفر مسعود حسنی ندوی کے قلم سے ہے جو انہیں بہت پسند آیا تھا اس کے علاوہ اردو اور عربی میں متعدد اہم کتابیں اور رسائل ہیں جس میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی فکر اور منہج و دعوت پر اردو عربی میں کتابیں ہیں وہ بھی دعوتی اور فکری حلقوں میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھی جارہی ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں قرآنیات کے مطالعہ کا اچھا ذوق بھی عطا فرمایا تھا اور الفاظ و معانی قرآن اور اس کی بلاغت پر ان کی [illegible] نظر تھی اور [illegible] طرح سے انہیں [illegible] حاصل تھا قرآن [illegible] کے بعض ترجموں پر [illegible] کی اشاعت سے پہلے انہوں نے پوری نظر ڈالی تھی اور اس سلسلہ میں اہل علم ان سے خوب فائدہ اٹھاتے تھے مگر اس کی تعبیرات اور جگہ کی تبدیلی سے معانی کی تبدیلی اور دوسری خوبیوں سے ان پر ایک خاص کیفیت طاری ہو جاتی تھی جس کا انتقال سے ایک دن پہلے بھی قرآن مجید سنتے ہوئے ان کا یہ احساس سامنے آیا اور بھی موقعوں پر اور گفتگو کے درمیان سننے اور دیکھنے کو ملتا تھا اور ان کی اس خصوصیت کے دوسرے بھی قدرداں تھے، بعض فقہی سمیناروں میں ان کی شرکت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کے ذمہ داروں نے ان سے بھی توجیہی خطاب کی بات کہی تو اس میں ان کے خطاب سے ان کا رہنمایانہ طرز فکر ظاہر ہوا اور اس سے اندازہ ہوا کہ فقہ سے بھی ان کی دلچسپی ہے اور اس میں ان کے فکری توجیہی انداز سے اچھا فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

جہاں تک ان کی دینی صفات کا تعلق ہے تو دینی باتوں کا ان میں اہتمام، حقوق اللہ کی ادائیگی کے ساتھ حقوق العباد کی پوری فکر، اور قرب بالنوافل پر قرب بالفرائض کو ترجیح، اور اسکا بڑا خیال ان کی زندگی میں بڑا نظر آتا تھا، خاص طور پر نماز کی فکر، اور اس کے لئے مسجد کا خیال ان میں قابل رشک حد تک تھا، جو اللہ کو بہت محبوب ہے اور اس پر عرش کے سائے کا وعدہ ہے، اسی طرح قرآن مجید سے شغف اور اس کی تلاوت کا بڑا اہتمام تھا، ضعف بصارت کی وجہ سے جب ان کے لئے دیکھ کر تلاوت دشوار ہوگئی تو دو تین وقت سننے کا معمول بنایا اور اچھی تلاوت کرنے والے کا اس کے لئے وہ انتخاب کرتے اس لئے کہ مخارج اور حروف کی ادائیگی اور تجوید کے اصول پر ان کی نظر رہتی تھی، اس کے علاوہ ذکر و تسبیح اور صبح و شام اور مختلف مناسبتوں کی دعاؤں کے معمولات کا بھی نہ صراحتاً اہتمام بلکہ اس پر مداومت تھی، اور صلہ رحمی، عیادت، اور خدمت خلق کے دوسرے کاموں کا بھی ان کو خیال رہتا تھا اور یہ سب کچھ وہ مخفی انداز سے کرتے تھے۔

ظاہر میں اچانک ان کی وفات کا پیش آنے والا سانحہ ہم سب اہل تعلق کے لئے بڑے صدمہ اور خسارہ کا تھا خاص طور پر میرے لئے کہ ان کا کئی دہائیوں سے ہر وقت کا ساتھ تھا اور ان کے مشوروں سے صرف تعلیمی اور اپنے ذاتی و خاندانی مسائل میں ہی مدد نہیں ملتی تھی بلکہ ملی و اجتماعی کاموں میں بھی بہت فائدہ محسوس ہوتا تھا اس لئے یہ میرے لئے ذاتی طور پر ایسا خلا ہے جو پُر ہوتا نظر نہیں آتا وہ مجھ سے اگرچہ عمر میں چھوٹے لیکن باکمال بھائی تھے میں نہیں سمجھتا تھا کہ مجھے ان کی جدائی کا صدمہ اٹھانا پڑے گا لیکن جو آیا ہے وہ اللہ کے ہاں سے اپنی عمر اور اپنا رزق لے کر آیا ہے، **"ان الله ما أخذ وله ما اعطى و كل شيء عنده بأجل مسمى"** اور یہ کہ ''وکان امر اللہ قدرا مقدورا'' اللہ انہیں علیین میں بڑے اونچے مراتب سے نوازے اور اپنے مقربین کے ساتھ ان کا حشر فرمائے۔

○○○

پروفیسر عبدالعظیم

# عورت کا مقام اور تصور اقبال

پردہ عورت کا فطری حق ہے۔ عورت گھر میں ہو یا بازار میں ہو، یونیورسٹی میں، دفتر میں ہو یا عدالت میں اپنی فطرت کو تبدیل کرنے سے قاصر ہے وہ جہاں ہوگی اس کے ضمیر کی خلش اور فطرت کی آواز سے پردہ کرنے پر مجبور کرے گی۔ وہ بے دین قومیں جو عورت کی فطرت سے بے بصر اور خالق فطرت کے احکامات سے ناآشنا ہیں وہ اگر عورت کی پردہ دری کے جرم کا ارتکاب کریں تو تعجب نہیں مگر ایک مسلمان جس کے سامنے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات اور اپنے اکابر کا شاندار ماضی موجود ہو اس کا اپنی بہنوں، بیٹوں کو پردے سے باہر لانا مردہ ضمیر کا قبیح ترین مظاہرہ ہے۔

ستم ظریفی کی حد ہے کہ عورت جو عصمت اور تقدس کا نشان تھی اور جس کی عفت ونزاہت سے چاند شرماتا تھا اسے پردے سے باہر لاکر اس سے ناپاک نظروں کی تسکین اور نفس وقلب کی تفریح کا کام لیا گیا اور یہ ظاہر کیا گیا کہ جدید تہذیب میں عورت زینت خانہ نہیں بلکہ اس کی رعنائی وزیبائی فقط تماشائے عالم ہے وہ تقدس کا نشان نہیں کہ اس کے احترام میں غیر محرم نظریں نیچے جھک جائیں بلکہ وہ آج بازاروں کی رونق ہے۔

علامہ اقبال عورت کے لیے پردے کے زبردست حامی تھے۔ اقبال کی نظر میں اصل بات یہ ہے کہ آدمی کی شخصیت اور حقیقت ذات پر پردہ نہ پڑا اور اس کی خودی آشکار ہوچکی ہو۔ اقبال کے عورت کی خلوت کی یہی وجہ ہے کہ اقبال عورت کی بے پردگی کے خلاف ہیں۔ ان کے خیال میں پردے میں رہ کر ہی عورت کو اپنی ذات کے احکامات کو سمجھنے کا موقع ملتا ہے اس کے برعکس جب عورت پردے سے باہر آتی ہے تو زیب و زینت نمائش بے باکی بے حیائی اور ذہنی پراگندگی کا شکار ہوجاتی ہے چنانچہ یہ فطری اصول ہے کہ عورت کی ذاتی جوہر خلوت میں کھلتے ہیں جلوت میں نہیں۔ خلوت کے عنوان سے ایک نظر میں اقبال نے اسی بات کی مکمل وضاحت کی ہے۔

ضرب کلیم میں عورتوں کی آزادی یا بے راہ روی کا ذمہ دار علامہ اقبال جدت پسند مردوں کی حماقت اور ناعاقبت اندیشی کو قرار دیتے ہیں۔ ضرب کلیم کے اشعار ہیں:

ہزار بار حکیموں نے اس کو سلجھایا
مگر یہ مسلہ زن رہا وہیں کا وہیں
قصور زن کا نہیں ہے کچھ اس خرابی میں
گواہ اس کی شرافت پہ ہیں مہ و پرویں
فساد کا ہے فرنگی معاشرت میں ظہور
کہ مرد سادہ ہے بیچارہ زن شناس نہیں

اقبال کے نزدیک عورت کا اصل مقام اس کا گھر ہے۔ وہ مرد کو اس کی تمام ضروریات اور اخراجات کا ذمہ دار قرار دیتے ہیں، ان کے نزدیک عورت کو چراغ خانہ بن کر رہنا چاہئے شمع محفل بنے گی تو مردانگی پر حرف آئے گا۔

نے پردہ نہ تعلیم نئی ہو کہ پرانی
نسوانیت زن کا نگہبان ہے فقط مرد
جس قوم نے اس زندہ حقیقت کو نہ پایا
اس قوم کا خورشید بہت جلد ہوا زرد

اسی نقطہ نظر کو انہوں نے ایک مضمون میں پیش کیا ہے جو ۱۹۴۴ء میں "لور پول پوسٹ" لندن میں شائع ہوا تھا۔ مشرق اور مغرب میں خواتین کی حیثیت پر لکھتے ہوئے وہ کہتے ہیں۔ میں اس خیال سے لرزہ براندام ہوجاتا ہوں کہ عورتیں قوت لایموت کا خود بندوبست کریں اس طرز عمل سے نسائیت کا جوہر برباد ہوجائے گا۔

اقبال نے اسرار و رموز، جاوید نامہ، ارمغان حجاز اور ضرب کلیم میں متعدد مقامات پر معاشرت میں عورت کی حیثیت واہمیت اور اس کے تقدس واحترام پر اظہار خیال کیا ہے۔ وہ عورت کے معاملے میں یورپ کے طرز عمل پر بہت پریشان ہیں اور وہاں کی مخلوط سوسائٹی اور مخلوط تعلیم کو نفرت و بیزاری کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ ضرب کلیم میں کہتے ہیں:

جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن
کہتے ہیں اس علم کو ارباب نظر موت

بیگانہ رہے دیں سے اگر مدرسۂ زن ہے
عشق و محبت کے لیے علم و ہنر موت

اور تہذیب مغرب نے جس طرح عورت کو اس کے گھر سے نکال کر زبردستی اس کے بچوں سے دور یا محروم کر کے ان کارخانوں اور دفتروں میں لا بیٹھایا ہے اس پر اقبال خردمندان مغرب کو یوں شرمندہ کرتے ہیں۔

کوئی پوچھے حکیم یورپ سے
ہند و یونان ہیں جس کے حلقہ بگوش
کیا یہی ہے معاشرت کا کمال
مرد بیکار و زن تہی آغوش

اقبال عورتوں کی بے جا آزادی کے مخالف تھے اور اسے شمع محفل کے بجائے چراغ خانہ دیکھنا چاہتے تھے، لکھتے ہیں جس قوم نے عورتوں کو ضرورت سے زیادہ آزادی دی وہ کبھی نہ کبھی ضرور اپنی غلطی پر پشیمان ہوئی ہے، عورت پر قدرت نے اتنی اہم ذمہ داریاں عائد کر رکھی ہیں کہ اگر وہ ان سے پوری طرح عہدہ برآ ہونے کی کوشش کرے تو اسے کسی دوسرے کام کی فرصت ہی نہیں مل سکتی، اگر اسے اس کے اصل فرائض سے ہٹا کر ایسے کاموں پر لگایا جائے جنہیں مرد انجام دے سکتا ہے تو یہ طریق کار یقیناً غلط ہوگا، مثلاً عورت کو جس کا اصل کام آئندہ نسل کی تربیت ہے کسی آفس میں فرنٹ ڈیسک پر بٹھا دینا، نہ صرف قانون فطرت کی خلاف ورزی ہے بلکہ انسانی معاشرے کو درہم برہم کرنے کی افسوسناک کوشش ہے۔

آزادی نسواں کے حامی مغرب پسند حضرات کی روش پر اقبال یوں پریشانی کا اظہار فرماتے ہیں: معاشرتی اصلاح کے نوجوان مبلغ سمجھتے ہیں کہ مغربی تعلیم کے چند جرعے مسلم خواتین کے تن مردہ میں نئی جان ڈال دیں گے اور وہ اپنی ردائے کہنہ کو پارہ پارہ کر دے گی۔ شاید یہ بات درست ہو لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ اپنے آپ کو برہنہ پا کر اسے ایک مرتبہ پھر اپنے جسم ان نوجوان مبلغین کی نگاہوں سے چھپانا پڑے گا۔

اقبال عورتوں کے پردے کے شدت سے حامی تھے۔ چنانچہ یہ امر دلچسپی سے خالی نہیں کہ حکومت برطانیہ نے اقبال کو جنوبی افریقہ میں اہم سفارتی عہدے کی پیشکش کی، مگر شرط یہ رکھی کہ ان کی بیگم کو مخلوط محفلوں میں جانا پڑے گا۔ اقبال نے اس شرط کو قبول نہیں کیا اور پیشکش ٹھکرا دی۔

''ملفوظات اقبال'' میں روسی ترکستان کے ایک عالم موسیٰ جاراللہ سے اقبال کی گفتگو خاصی بصیرت افروز ہے۔ متعلقہ عبارت یوں ہے۔ موسیٰ جاراللہ صاحب تشریف لے آئے، پردے کے متعلق باتیں ہونے لگیں۔ ڈاکٹر صاحب فرمانے لگے فطرت کا تقاضا معلوم ہوتا ہے کہ ہر وہ چیز جس میں تخلیقی صفات ہوں، پردے میں رہے، خود خدا کو دیکھئے بے حجاب نہیں۔ زندگی کو لیجئے اگرچہ اس کے آثار کو ہم دیکھ سکتے ہیں، مگر بذات خود وہ ہماری نظروں سے پنہاں ہے۔

اس پر موسیٰ جاراللہ نے کہا کہ ہم لوگ بھی پردے کے قائل تو ضرور ہیں مگر حجاب رو (چہرے کا پردہ) کو ضروری نہیں سمجھتے اور نہ قرآن کریم میں اس کے متعلق کوئی نص قطعی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا: نہیں قرآن حجاب رو کا قائل ہے اور مقالات میں رقمطراز ہیں: مغربی دنیا میں نفسی نفسی کا ہنگامہ گرم ہے اور غیر معتدل مسابقت نے ایک خاص قسم کی اقتصادی حالت پیدا کر دی ہے۔ عورتوں کا آزاد کر دیا جانا ایک ایسا تجربہ ہے جو میری دانست میں بجائے کامیاب ہونے کے الٹا نقصان رساں ثابت ہوگا اور نظام معاشرت میں اس سے بے حد پیچیدگیاں واقع ہو جائیں گی اور عورتوں کی اعلیٰ تعلیم سے بھی جس حد تک کہ افراد قوم کی شرح ولادت کا تعلق ہے جو نتائج مرتب ہوں گے وہ بھی غالباً پسندیدہ نہ ہوں گے۔

اقبال زن و مرد کی ترقی، نشوونما اور تعلیم و تربیت کے لئے جداگانہ میدان عمل کے قائل تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جسمانی طور پر بھی ایک دوسرے سے مختلف بنایا ہے اور فرائض کے اعتبار سے بھی۔ چنانچہ وہ عورتوں کے لئے انکی طبعی و فطری ضروریات کے مطابق الگ نظام تعلیم اور الگ نصاب چاہتے تھے۔ شذرات میں لکھتے ہیں: تعلیم بھی دیگر امور کی پیش نظر مسلمان بچوں کے لئے مذہبی تعلیم بالکل کافی ہے۔ ایسے تمام مضامین جن میں عورت کو نسوانیت اور دین سے محروم کر دینے کا میلان پایا جائے احتیاط کے ساتھ تعلیم نسواں سے خارج کر دیئے جائیں۔

اسی سلسلے میں ملفوظات اقبال میں ان کا ایک قول نقل کیا گیا ہے: تعلیم کا ذکر آیا تو فرمایا کہ مسلمانوں نے دنیا کو دکھانے کے لیے دنیوی تعلیم حاصل کرنا چاہی۔

(بقیہ.....صفحہ.....33.....پر)

مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی

# تعلیم وتربیت، علمی وفکری مقام

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کو دو ماہ کا عرصہ گذر چکا، مگر وہ کل کی بات معلوم ہوتی ہے، یہ صرف اہل ندوہ ہی کے لیے نہیں بلکہ تمام اہل فکر ونظر کے لیے، اصحاب بصیرت کے لیے ایسا خسارہ ہے کہ اس کا کوئی بدل نظر نہیں آتا، مولانا نے اپنے قلم سے ملت اسلامیہ کو خطرات سے جس طرح آگاہ کیا تھا اور اس کا علاج امت کے سامنے رکھا تھا، مولانا کا ایسا امتیاز ہے کہ وہ اس میں فرد فرید نظر آتے ہیں، انھوں نے مغرب کا گہرا مطالعہ کیا تھا، اس کی شاطرانہ چالوں کو سمجھا تھا، اس کے زوال وعروج کی پوری تاریخ مولانا کی نگاہوں کے سامنے تھی، اس کے ساتھ وہ اسلامی تاریخ کے نبض شناس بھی تھے، اور اس کے عروج وزوال کے اسباب کو بھی انھوں نے اچھی طرح سمجھا تھا، انھوں نے اپنے اشہب قلم کا استعمال ہمیشہ امت کو بیدار کرنے کے لیے کیا، وہ فرماتے تھے کہ علماء وارثین انبیاء ہیں اور حضرات انبیاء علیہم السلام کا کام تبشیر کے ساتھ انداز بھی ہے، علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ امت کو آخرت کے عواقب سے بھی ڈرائیں اور پیش آنے والے خطرات سے بھی آگاہ کریں اور ان سے بچنے کے راستے بھی بتائیں۔

اللہ نے ان کو ایک بے چین دل دیا تھا جو امت کے لیے تڑپتا تھا، وہ بہت کم تقریر کرتے تھے، مگر بارہا ایسا ہوا کہ تقریر کے دوران پیمانہ چھلک گیا، فکر ارجمند، قلب دردمند اور زبان ہوشمند کا ان کے یہاں ایسا حسین گلدستہ نظر آتا تھا کہ دل ودماغ اس سے معطر ہو جائیں، ان کی زندگی روح قرآنی سے سرشار تھی، خود تلاوت کرتے تو سراپا تدبر بن جاتے اور جب بینائی کمزور ہوئی تو سننے کا مستقل معمول بن گیا، کئی کئی پارے روزانہ سن لیتے لیکن اسی ذوق وشوق اور فکر وتدبر کے ساتھ، نمازوں میں بھی تلاوت کے دوران ان پر ایک کیفیت و محویت طاری ہو جاتی اور وہ اس کی گہرائیوں میں کھو جاتے۔ مولانا کو قرآن مجید سے غیر معمولی شغف تھا اور اس میں ان کو وہ ژرف نگاہی حاصل تھی جو بہت کم لوگوں کو حاصل ہوتی ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ مولانا کو عربی زبان وادب کا جو اعلیٰ ذوق تھا، اس میں کم لوگ مولانا کے شریک ہوں گے، اور قرآن مجید کے فہم میں اس ذوق کو بڑا حصہ حاصل ہے، اس گنہگار نے 'آسان معانی قرآن' کے کام میں مولانا سے بار بار استفادہ کیا، اور بہت سے وہ حقائق سامنے آئے جو شاید بڑی بڑی تفسیروں کے مطالعہ کے بعد بھی سامنے نہ آتے، مجھے ان حقائق وعلمی نکات سے کام کے دوران بڑی مدد ملی۔

ان کی ولادت ۲۰ر نومبر ۱۹۳۳ء کو دائرۂ شاہ علم اللہ میں ہوئی، ان کی والدہ محترمہ امۃ العزیز صاحبہ حضرت مولانا حکیم سید عبدالحی کی بڑی صاحب زادی تھیں، حکیم صاحب نے ان کا نکاح اپنے پھوپھی زاد بھائی کے فرزند جناب سید رشید احمد صاحب سے کیا، اللہ تعالیٰ نے کئی صاحب زادے عطا فرمائے، جن میں کئی کم عمری میں فوت ہو گئے اور ان میں تین آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے، حضرت مولانا واضح رشید ندویؒ ان تینوں میں سب سے چھوٹے تھے، ان میں سب سے بڑے حضرت مولانا محمد ثانی حسنی صاحبؒ، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے مجاز بیعت و ارشاد ہوئے، بڑے مصنف، مصلح اور شاعر تھے، گوناگوں صفات وکمال کے حامل تھے، خواتین کے لیے ماہنامہ ''رضوان'' اس

وقت جاری کیا جب پرچہ نکالنا جان جوکھم میں ڈالنے سے کم نہ تھا، اپنے باکمال نانا کی طرح عمر کی صرف ۵۴ بہاریں دیکھیں، دوسرے بھائی حضرت مولانا محمد رابع صاحب مدظلہٗ ''واسطۃ العقد'' ہیں، مفکر اسلام رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین اور اس وقت ملت اسلامیہ کی آبرو ہیں، مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر نشین، ندوۃ العلماء کے ناظم اور سیکڑوں اداروں کے سرپرست ہیں، اللہ تعالیٰ صحت وعافیت کے ساتھ ان کے سایۂ عاطفت کو دراز فرمائے کہ ان کا وجود دنیا کے لیے باعث خیر وبرکت ہے۔

ان میں سب سے چھوٹے ہمارے چچا جان تھے، والد ماجد مولانا سید محمد الحسنیؒ سے دو سال بڑے، پھوپھی زاد بھائی تھے مگر سگے بھائیوں سے بڑھ کر، تینوں بھائیوں کا معاملہ ایسا ہی تھا، مولانا حکیم سید عبد العلی صاحبؒ سب کے مربی و سرپرست تھے، ان کی ہمشیرہ نے اپنے تینوں بیٹوں کو تعلیم وتربیت کے لیے اپنے بھائیوں کے سپرد کیا تھا، چچا جان عمر میں والد ماجد کے قریب تھے، اس لیے بچپن کی دوستی تھی، ساتھ کھیلنا، ساتھ پڑھنا، دادا صاحبؒ نے والد صاحب کو گھر ہی میں تعلیم دی، ان کی تاکید کی تھی کہ واضح جو ندوہ میں پڑھ کر آئیں، محمد میاں کے ساتھ مذاکرہ کر لیا کریں، اسی زمانے کا یہ لطیفہ قابل ذکر ہے کہ: ''قصص النبیین (اول)'' چھپ کر آئی، اس میں حضرت مولانا نے والد صاحب کو شروع میں خطاب کیا ہے، چچا جان نے والد صاحب سے کہا کہ ماموں جی نے تمہارا نام لکھا، ہمارا نہیں لکھا، یہ دونوں کی نوعمری کا زمانہ تھا، والد صاحبؒ نے کتاب کھولی، ایک جگہ عبارت میں ''واضحۃ سہلۃ'' لکھا ہوا تھا، فرمایا: دیکھو تمہارا نام بھی ہے۔

مولانا ندوہ سے فارغ ہوئے تو عربی زبان ان کے لیے مادری زبان کی طرح تھی، اس میں بڑا حصہ ان کے ابتدائی دور کے اساتذہ کا تھا جو تازہ تازہ مصر سے پڑھ کر آئے تھے اور وہ عربی کو زندہ زبان کی طرح براہ راست (Direct Method) پڑھاتے تھے، ان میں مولانا محبوب الرحمٰن ازہری بھی تھے، مولانا عبد الحفیظ بلیاویؒ سے بھی مولانا کا خاص تعلق تھا، مولانا کی قابلیت اور صلاح کا اثر اساتذہ پر بھی تھا، بارہا ایسا ہوا کہ مولانا اسباط صاحبؒ جو نابینا تھے، سبق نہ پڑھا سکے تو مولانا واضح صاحب کو اپنی جگہ بٹھا گئے، اس زمانہ میں مولانا نے انگریزی پڑھنی شروع کی، بعد میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے باقاعدہ انھوں نے بی اے. انگریزی میں کیا، پھر گھر کی شدید ضروریات کو دیکھتے ہوئے وہ دہلی چلے گئے، اور تقریباً بیس سال وہیں ریڈیو سے منسلک رہے، اس زمانہ میں وہ ہر طرح کے لوگوں سے ملے، مطالعہ میں مزید وسعت پیدا ہوئی، ہر طرح کا ماحول ان کو ملا، مگر وہ جس ثابت قدمی کے ساتھ پھول چنتے ہوئے آگے بڑھتے گئے، یہ انہیں کی خصوصیت ہے، کبھی کانٹوں میں دامن الجھنے نہ دیا، سخت سے سخت حالات آئے مگر ان کی قوت ایمانی میں ذرا جنبش نہ آئی، حضرت مولانا نے ان کو تاکید کی تھی کہ نظام الدین سے تعلق رکھنا، انھوں نے اس کو پوری طرح نبھایا، حضرت مولانا یوسف صاحبؒ اور حضرت مولانا انعام الحسن صاحبؒ کے ساتھ وقت لگانے کا بھی موقع ملا، یہ حضرات بھی انتہائی محبت فرماتے تھے، حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمہ اللہ سے بڑا گہرا تعلق تھا، اور حضرت شیخ کی بھی خاص توجہ اور عنایت تھی، دہلی کے قیام میں مسلسل سہارنپور بھی حاضری کا معمول رہا اور بارہا رائے پور حضرت رائے پوری کی خدمت میں بھی حاضری کی سعادت ملی۔

دہلی قیام کا اصل مقصد والدین کی خدمت وراحت کی فکر تھی، وہ زمانہ سخت عسرت کا تھا، مولانا کے قیام دہلی سے گھر والوں کو بڑی راحت ہوئی، ہماری سب سے چھوٹی پھوپھی سے مولانا کا عقد ہو چکا تھا، وہ بھی بڑی صاحب فکر اور دین دار خاتون تھیں، ذکر وتلاوت کا بڑا اہتمام تھا، امر بالمعروف ونہی عن المنکر پر پورا عمل تھا، مجھے یاد ہے دونوں میں دیر دیر تک حالات حاضرہ پر گفتگو ہوتی، بزرگوں کا تذکرہ ہوتا،

تاریخ کے اوراق الٹے جاتے اور بڑی فکر انگیز باتیں سامنے آتیں۔

مولانا دہلی میں تھے لیکن ان کے طائر فکر کا نشیمن ندوہ تھا، حضرت مولاناؒ کو خاندانی تعلق کی وجہ سے کچھ تردد تھا، لیکن حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کے اصرار پر ندوۃ العلماء میں ان کا تقرر ہوا، خود انھوں نے جس طرح شروع سے دینی تعلیم پائی تھی اور پھر مصر کے سفر اور عرب سے براہ راست گہرے تعلق کی وجہ سے مولانا نے تدریس کے لیے نئے نئے طریقے اختیار کیے، ان کے اندر شوق تھا کہ طلباء میں صلاحیت منتقل کی جائے، وہ لگے بندھے طریقے پر پڑھانے کے قائل نہ تھے، انھوں نے نئے تجربات سے طلباء کو فائدہ پہنچایا، ندوہ کی فضا پر اس کا اثر پڑا، اور اس دور کے ان کے شاگرد خاص طور پر اس دور کو یاد کرتے ہیں، یہ سلسلہ آخر تک رہا، نہ جانے کتنے طلباء جو مایوسی کا شکار ہو جاتے وہ مولانا کی فکر و توجہ اور شفقت و محبت سے اپنے اندر ایک امنگ محسوس کرتے، ان میں نہ جانے کتنے علم و فکر کے میدان میں چمکے اور وہ آج تک مولانا کے لیے رطب اللسان ہیں۔

ہمت افزائی چچا جان کی ایک خاص صفت تھی، بہت معمولی استعداد والے طلباء عربی میں ترجمہ کر کے لاتے، بعض مرتبہ پوری پوری عبارت بدلنی پڑتی، مگر اس کے باوجود وہ قدر فرماتے اور اکثر ''الرائد'' میں اس کو جگہ دیتے، اس سے لکھنے والوں میں حوصلہ پیدا ہو جاتا، اسی طرح فکری رہنمائی فرماتے، کتابوں کے مطالعہ کا مشورہ دیتے اور اپنی مجلسوں میں کتابوں کا نچوڑ پیش کرتے، سچی بات یہ ہے کہ سیکڑوں کتابوں کے مطالعہ کا وہ فائدہ نہیں ہو سکتا تھا جو ان کی مجلسوں سے ہوتا تھا، فکر کے نئے نئے زاویے کھلتے، تاریخ و ادب کے وہ جواہر پارے سامنے آتے جو شاید ہزاروں صفحات پڑھنے کے بعد بھی سمجھ میں نہ آئیں، ان کی مجلسوں سے نہ جانے کتنے مفکر و مصنف پیدا ہوئے، رجال سازی میں اس وقت ان کی نظیر ملنی مشکل ہے، اپنی شخصیت ان کے سامنے کچھ نہ تھی، فنائیت کی جو اصطلاح تصوف میں پڑھی، مولانا اس کی زندہ مثال تھے، ہر جگہ اپنی نفی فرماتے، نام و نمود سے نفرت تھی، اپنی ابتدائی زندگی میں انھوں نے مساجد میں تبلیغی اجتماعات میں بہت تقریریں کیں لیکن پھر وہ تقریر کے نام سے گھبرانے لگے، وہ اسٹیج کے آدمی نہیں تھے، مگر نہ جانے کتنوں کو انہوں نے اسٹیج کے قابل بنا دیا، ادھر چند سالوں سے شدید اصرار پر وہ تقریر کرتے تو مغز ہی مغز سامنے آتا، معلوم ہوتا تھا کہ کتابوں کے صفحات کے صفحات ان کے سامنے ہیں، قوت حفظ میں ان کو امتیاز تھا، جب بات کرتے تو حوالہ کے ساتھ کرتے، ان کو روح کی ذہانت حاصل تھی، اللہ تعالیٰ نے بہت شفاف دل دیا تھا، معلوم ہوتا تھا کہ ان پر دلوں کا عکس پڑتا ہے، متعدد مواقع پر ایسے واقعات سامنے آئے کہ ان کو تصوف کی اصلاح میں کشف سے ہی تعبیر کیا جا سکتا ہے، ان کا دل ہر طرح کے کینہ و کپٹ سے پاک تھا جو کرتے اللہ کے لیے کرتے۔

طبیعت بڑی حساس تھی، اپنا کام خود کرتے، خدمت لینا نفس پر بہت شاق تھا، مزاج میں نفاست تھی، بے ترتیبی پسند نہ تھی، گھر میں داخل ہوتے کوئی چیز بے ترتیب ہوتی تو خود ٹھیک کرنے لگتے، اور اس میں بھی اتباع رسول کا جذبہ ہوتا، مشیخت سے کوسوں دور، اظہار علم اور خود نمائی سے دور دور کا واسطہ نہ تھا، مگر باتوں سے علم ابلتا تھا۔

والد مرحوم مولانا سید محمد الحسنیؒ اور مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ کی وفات مفکر اسلام حضرت مولانا علیہ الرحمہ کی زندگی ہی میں ہوئی، حضرت مولانا کی وفات کے بعد یہی دونوں بھائی حضرت مولانا کے جانشین اور ان کے فکر و عمل کے سچے امین رہے، حضرت مولانا کو بھی ان دونوں پر جو اعتماد بلکہ ناز تھا وہ دنیا جانتی ہے، محبت کا حال یہ تھا کہ حضرت کو ان کی جدائی برداشت نہیں تھی، ایک مرتبہ کچھ اہل تعلق دونوں کو کسی پروگرام کے لیے کانپور لے گئے، آنے میں کچھ تاخیر ہوئی، وہ فون کا زمانہ نہیں تھا، حضرت ندوہ میں مہمان خانہ سے باہر آ کر بیٹھ گئے اور انتہائی بے چین ہوئے، دیر رات میں جب

وہ دونوں تشریف لے آئے تو اندر تشریف لے گئے، اور فرمایا کہ تم دونوں رات کو کہیں مت جایا کرو، حضرت مولاناؒ نے اپنے متعدد کاموں کی تکمیل مولانا واضح صاحب سے کرائی: ''الصراع بین الفکرۃ الاسلامیۃ و الفکرۃ الغربیۃ فی الأقطار الاسلامیۃ'' (مسلم ممالک میں اسلامیت ومغربیت کی کشمکش) کے بارے میں بھی حضرت مولانا کی بڑی خواہش تھی کہ وہ اس کام کو آگے بڑھائیں، مولانا واضح صاحبؒ کا یہ خاص موضوع تھا، رائے بریلی میں فضیلت کے طلباء کے سامنے اس کتاب پر مولانا ہی کا محاضرہ ہوتا تھا، محاضرہ کیا ہوتا تھا، عالم اسلام کی تازہ صورت حال سامنے آجاتی، جغرافیائی خصوصیات، اقتصادی حالات، سیاسی اتار چڑھاؤ، معلوم ہوتا تھا کہ سب اوراق مولانا کے سامنے کھلے ہوئے ہیں، اس پر فکر کی بلندی، واقعیت اور دردِ دل مستزاد، مولانا اس پر خون کے آنسو روتے اور رلاتے، طلباء ان کو سننے کے لیے مشتاق رہتے، مگر دو ایک محاضرات کے علاوہ آگے وہ تیار نہ ہوتے اور اصرار کرتے کہ 'چھوٹے بھیا' ہی کے محاضرات ہونے چاہئیں۔

ان دونوں بھائیوں کی رفاقت ومحبت، ہر وقت کی یکجائی، آپس کے مشورے، ایک دوسرے کے لیے بے چین ہو جانا، یہ وہ صفات ہیں کہ اس مادی دور میں عنقا نظر آتی ہیں، عمر میں صرف چار سال کا فرق تھا، بے تکلفی تھی مگر مولانا ہمیشہ ادب ملحوظ رکھتے، لوگ مصافحہ کرنے لگتے تو فرماتے 'چھوٹے بھیا' ادھر ہیں، کوئی سوال کرتا تو اکثر انہیں کی طرف محول کر دیتے، ان کو خطاب کر کے کبھی کہہ دیتے کہ آپ تو ہمارے شیخ ہیں، سفروں میں بھی رفیق اور مشیر کی طرح ساتھ رہتے، علمی وفکری ودینی بلند مقام کے باوجود ہر جگہ پیچھے رہے، یہ فنائیت بھی اس دور میں نایاب ہے۔

ان کی یہی صفات تھیں کہ حضرت مولاناؒ نے راقم کے سامنے فرمایا تھا کہ واضح خلافت کے اہل ہیں، ہم ان کو بھی خلافت دیں گے، ان کی وفات کے بعد ان کے جانشین حضرت مولانا رابع صاحبؒ نے باقاعدہ ان کی طرف سے اجازت بیعت و ارشاد بھی دی، لیکن کبھی کہیں اس کا اظہار تک نہ ہوا، ایک انتہائی چاہنے والے شاگرد نے بیعت کے لیے بہت اصرار کیا تو زبردستی حضرت مولانا رابع صاحب مدظلہٗ کے پاس لے جا کر بیعت کروایا، اور فرمایا کہ: ''امیر ایک ہی ہوتا ہے''۔

انھوں نے دین بھی دیکھا اور دنیا بھی دیکھی، وہ مشائخ سے بھی ملے اور دنیا کے باکمال اور صاحب اقتدار افراد سے بھی، دین میں ان تصلب بڑھتا گیا، آل انڈیا ریڈیو میں ملازمت کے دوران ان کو موقع ملا، انھوں پنڈت نہرو سے بھی انٹرویو لیا اور صدر ناصر سے بھی، وہ ملک سعود سے بھی ملے اور مولانا آزاد سے ملنے کا موقع بھی ملا، حضرت مولاناؒ کے ساتھ وہ شاہانِ عرب کے یہاں بھی گئے لیکن وہ اپنے ماموں کا پرتو تھے، نہ وہ ان کے جاہ وجلال سے متاثر ہوئے اور نہ ان کی آنکھیں خیرہ ہوئیں، انھوں نے جماعت اسلامی کا پورا لٹریچر پڑھا تھا، لیکن پوری بصیرت کے ساتھ اس کے حسن وقبح کو وہ جتنا سمجھتے تھے، شاید کم لوگوں کو اس کا اندازہ ہو، گہرے مطالعے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ عالم اسلام کے لیے وہی راستہ کامیابی کا ہے جو امام سرہندیؒ نے اختیار کیا تھا، ٹکراؤ کی پالیسی کو وہ سخت مضر سمجھتے تھے اور عالم اسلام کی موجودہ خوں ریزی کو وہ اسی غلط پالیسی کا نتیجہ گردانتے تھے۔

مولانا نے مغرب کا گہرا مطالعہ کیا تھا اور براہ راست ان مصادر کو پڑھا تھا جو عام طور پر علماء کے سامنے نہیں آتے، پھر وہ اپنے مطالعہ کو مستقل تازہ کرتے رہتے تھے، مولانا اپنی نگاہِ بصیرت سے یورپ وامریکہ کی اندرون خانہ سازشوں کو بھانپ لیتے تھے، کبھی کبھی وہ ان گہرائیوں تک پہنچتے تھے کہ ان کی راتوں کی نیند اڑ جاتی تھی، وہ عالم اسلام کے مسائل پر بے چین ہو جاتے تھے، اکثر وہ کہتے تھے کہ لوگوں کو دشمنوں کی سازشوں کا علم نہیں، اسلام پر جو فکری حملے کیے جا رہے ہیں اور خود مسلمانوں میں دین پر اعتماد ختم کرنے کے لیے جو لٹریچر تیار کیا جا رہا ہے، مولانا چاہتے تھے کہ علماء اس مطالعہ

کریں اور اس کا جواب دیں، ندوۃ العلماء کی فکر و تحریک کا مقصد یہی تھا، وہ اپنی تحریروں اور محاضرات میں اپنا درد دل نکال کر رکھ دیتے اور اہل علم و فکر کو توجہ دلاتے، اپنی نجی مجلسوں میں بھی وہ علماء اور منتہی طلبہ کو ان خطرات سے آگاہ کرتے اور ان کا مقابلہ کرنے کی طرف توجہ دلاتے، غزو فکری تاریخ مولانا کے سامنے تھیں، اس کے ساتھ وہ یورپ کی کمزوریوں سے بھی خوب واقف تھے، بارہا ایسا ہوا کہ اہل فکر و نظر کے مجمع میں مولانا نے گفتگو کی تو لوگ دنگ رہ گئے، ''البعث الاسلامی'' میں ''صور و اوضاع'' کے نام سے ان کا مستقل کالم ہوتا تھا، جس میں وہ عالم اسلام کا نقشہ کھینچ دیتے، اہل فکر و اہل علم کو آگاہ کرتے، اہل نظر کی بڑی تعداد اس کالم کے لیے ''البعث'' کی منتظر رہتی، اس میں اس کو اپنے درد کا مداوا ملتا، کام کے راستے ملتے اور فکر کی وہ بار یکیاں ملتیں جو اس دور انحطاط میں نایاب ہوتی جارہی ہیں، اپنے آخری مضمون میں جو ''البعث الاسلامی'' کے لیے لکھا گیا تھا، وہ بڑے درد کے ساتھ مصلحین و دعاۃ کو خطاب کر کے فرماتے ہیں کہ:

''اسلامی سوسائٹی کو اسلامی اصولوں پر کھڑا کرنا کسی بھی دوسرے عمل سے زیادہ ضروری ہے، اس لیے کہ یہ ہر کوشش کی بنیاد بھی ہے اور اس کو آگے لے جانے کا بھی راستہ ہے اور اسلامی سوسائٹی کو بنائے بغیر کوئی کوشش کامیاب نہیں ہوسکتی اور نہ کسی قربانی کے بہتر نتائج نکل سکتے ہیں، خواہ اس سے کیسی ہی امیدیں لگائی جائیں۔

ان سماجی بیماریوں کا مقابلہ کرنے کے لیے تحریک چلانے کی ضرورت ہے، جو خرابیاں روح اسلام اور تعلیمات دین کے بالکل منافی ہیں اور حدیثوں میں بڑی اہمیت کے ساتھ ان کو دور کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے، سماج کی اصلاح کہیں سے بھی کسی بڑی عبادت سے کم نہیں ہے''۔

پھر آگے فرماتے ہیں:

''اس اصلاحی کام کے لیے کسی حکومت کی ضرورت نہیں، اس کے لیے علماء و مصلحین کے موقف میں تبدیلی لانے کی ضرورت ہے، وہ اس کی اہمیت کو سمجھیں اور خالص ایجابی طریقہ پر خیر خواہانہ انداز میں اپنی دعوت پیش کریں''۔

مولاناؒ نے اس کے آگے اخوان کے مرشد عام شیخ حسن ہضیبی کی بات بھی نقل کی ہے کہ داعیوں کو خیر خواہانہ جذبے کے ساتھ دعوت کا کام کرنا چاہیے، معاند بن کر نہیں۔

''تحریک پیام انسانیت'' سے مولانا کا گہرا تعلق رہا، عربی میں مولانا نے اس کا تعارف کرایا ہے، اور وہ اس کی ضرورت و افادیت کو بھی اچھی طرح سمجھتے تھے، اور اس کی باریکیوں سے بھی خوب واقف تھے، نومبر کے شروع میں ہونے والے رائے بریلی کے سالانہ پیام انسانیت کے اجلاس میں مولانا نے کلیدی خطاب فرمایا تھا جو خالص الہامی معلوم ہوتا تھا، مولانا نے تقریر کے شروع میں **کنتم خیر أمة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف و تنهون عن المنكر و تؤمنون بالله** تلاوت فرمانے کے بعد بڑے نکتہ کی بات فرمائی تھی کہ پہلا مرحلہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا ہے، اچھائیوں کو عام کرنا اور برائیوں کو مٹانا اس سے ایمان بنتا ہے اور دعوت ایمانی کے لیے پہلا مرحلہ انہیں معاشرتی اصلاحات کا ہے۔ مولانا بہت کم بولتے تھے مگر جو جو بولتے تھے لگتا تھا کہ لعل و جواہر لٹا رہے ہوں، حشو و زوائد سے پاک، ان کی ہر ہر بات مغز ہی مغز ہوتی تھی۔

وفات سے ایک روز پہلے راقم سطور اجین کے ایک سفر سے واپس ہوا، مولانا نے وہاں کی کارگذاری دریافت فرمائی، جب وہاں کے بعض مفید پروگراموں کا ذکر ہوا تو مولانا نے انتہائی خوشی ظاہر فرمائی اور کام کی اہمیت مزید واضح فرمائی اور رات کو جب دو ایک اہم مسلمان قائدین حضرت مولانا رابع صاحب مدظلہ سے ملنے کے لیے آئے اور مولانا سے بھی ملے تو مولانا نے ان کو پیام انسانیت کے کام کی طرف توجہ دلائی۔

فکری و علمی مشاغل کے ساتھ مولانا کو عام لوگوں کے لیے تعلیم و تربیت اور اصلاح کی کوششوں کی بھی بڑی فکر رہتی تھی، مدرسہ فلاح المسلمین کے وہ ناظم تھے اور وہ اس کو

صرف ایک تعلیمی مرکز ہی نہیں بلکہ پورے علاقہ کے لیے اصلاح وتربیت کے مرکز کے طور پر دیکھنا چاہتے تھے۔ مکاتب کے سلسلے کو پھیلانے کی ان کو بڑی فکر رہتی خود دورے فرماتے، وہاں کی ضروریات سے واقف ہوتے اور ان کو پورا کرنے کی تدبیریں فرماتے، سماجی اصلاحات کی طرف کام کرنے والوں کو متوجہ کرتے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں راوی کا بیان ہے: "طویل السکت، دائم الفکرة، لیست له راحة" اکثر خاموش فکر میں ڈوبے ہوئے، آپ کو کسی کل چین نہیں تھا۔ مولانا واضح صاحبؒ کی زندگی میں انھیں اوصاف کا عکس نظر آتا تھا، امت کے لیے بے چین، حالات کی فکر، درد میں ڈوبا ہوا دل، لبوں پر سکوت، تول تول کر بولنے والے، پھر جود و سخا کا پیکر، ہر ایک کو فائدہ پہنچانے کی فکر کرنے والے، اپنے لیے دنیا کے ہر طرح کے فائدے سے بے نیاز!

حرمین شریفین سے ان کا گہرا لگاؤ تھا، اخیر دور میں اپنی صحت اور اعصاب کی کمزوری کے باعث شدید خواہش کے باوجود حاضری نہیں ہو پا رہی تھی، مگر ہر جانے والے کو بڑے شوق سے رخصت کرتے، ایک معمولی شاگرد وعزیز نے مدینہ طیبہ سے فون کیا تو بے خود ہو گئے اور یہ شعر پڑھا:

**هنيئاً لأرباب النعيم نعيمهم**
**وللعاشق المسكين ما يتجرع**

وہ ندوۃ العلماء کے معتمد تعلیم رہے، رابطہ ادب اسلامی کے جنرل سیکریٹری رہے، لیکن سامنے آنا ان کو کبھی پسند نہ تھا، عہدوں کے اظہار سے بھی ان کو کوئی سروکار نہ تھا۔

بزرگوں کی محبت ان کے خمیر میں تھی، مجلسوں میں ان کا تذکرہ کرتے، اپنے چھوٹوں کو ان کے واقعات سناتے، منکر دیکھتے تو نکیر فرماتے اور کبھی ضرورت ہوتی تو بڑی صاف گوئی کے ساتھ بات کہہ دیتے۔

وہ حقیقت میں "طاب حیاً وطاب میتاً" کا مصداق تھے، اللہ کے لیے جینا، اللہ کے لیے مرنا، عرصہ سے لقاء رب کا شوق غالب تھا، ایک ایک دن کو غنیمت جانتے تھے، طبیعت ٹھیک ہی تھی، سارے کام خود ہی کرتے، خدمت لینا طبیعت پر بہت شاق ہوتا تھا، انتقال سے ایک روز پہلے مدینہ منورہ کے بھائی عبدالرشید صاحب آئے، ان کے لیے دعوت کا اہتمام کیا، دوپہر میں خود گھر لے جاکر کھانا کھلایا، حضرت مولانا دامت برکاتہم بھی ساتھ تھے، مغرب کے قریب ندوہ واپس آئے، طبیعت ٹھیک تھی، رات آرام کیا، تہجد کے لیے بیدار ہے، وضو کرنے جب باہر تشریف لائے، اچانک طبیعت خراب ہوئی، فجر کی اذان شروع ہوئی اور جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی، رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ وأدخلہ فی جنات النعیم۔

☆☆☆

ہمارے پرانے دوست اور کرم فرما مولانا سلطان الہدیٰ ندوی ۱۴/اپریل ۲۰۱۹ء کو مختصر علالت میں انتقال کر گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا مرحوم کی وفات ایسی اچانک کہ جس نے بھی سنا اس کو یقین نہیں آیا اور یقین بھی کیسے آتا ابھی چند گھنٹوں پہلے لوگوں کے درمیان بیٹھے ہوئے تھے اور بات چیت ہو رہی تھی اور ہنسی مذاق ہو رہا تھا اور مغرب کے بعد اچانک اطلاع ملتی ہے مولانا سلطان الہدیٰ صاحب کا انتقال ہو گیا۔

انسان کا وقت متعین جب پورا ہو گیا تو اس میں تقدیم وتاخیر نہیں ہوتی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مولانا مرحوم کو جنت الفردوس عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

قارئین رضوان سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

محمد محی الدین ندوی
منیجر رضوان

سید خلیل احمد حسنی ندوی

# میرے ابا رحمۃ اللہ علیہ

**ان اللہ لا یقبض العلم انتزاعاً ینتزعہ من العباد ولکن یقبض العلم بقبض العلماء حتی اذا لم یبقی عالماً اتخذ الناس رؤوساً جہالاً فسئلوا فأفتوا بغیر علم فضلوا وأضلوا۔** [متفق علیہ]

(اللہ تعالیٰ علم کو یک مشت بندوں کے دل سے نہیں نکالے گا، لیکن وہ علم کو سلب کرلے گا علماء کو اپنے پاس بلاکر، یہاں تک کہ جب علماء ناپید ہوجائیں گے تو لوگ جاہلوں کو اپنا سردار مان لیں گے، مسائل میں ان کی طرف رجوع کریں گے، وہ بغیر علم کے فتاوی دیں گے، خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کی بھی گمراہی کا سبب بنیں گے)۔

یہ حدیث شریف ایک طرف اہل علم حضرات کے مقام ومرتبہ پر روشنی ڈال رہی ہے وہیں دوسری طرف ایک خطرہ سے بھی آگاہ کررہی ہے کہ ان کا اس دنیا سے پردہ فرمانا تاریکی کے عام ہونے اور گمراہی کے پھیلنے کا سبب ہے، اگر بعد کے لوگوں نے ان کی جگہ نہ لی اور اس خلا کو پر نہیں کیا تو ناقابل تلافی نقصان سے دوچار ہونا پڑے گا۔

موجودہ دور کی ایک عظیم اور عبقری شخصیت، فکر بوالحسن کے محافظ اور امین، آپ کا تراشیدہ ہیرہ، اور نمونہ سلف حضرت مولانا واضح رشید حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ (ابا) کا سانحہ ارتحال اس حقیقت کو آشکارا کررہا ہے کہ قحط الرجال کے اس دور میں اور فتنہ وفساد کی آماج گاہ اس عالم فانی میں حضرت والا کا وجود قندیل کا کام کررہا تھا، چہار جانب علم کی ضوفشانی کررہا تھا، جو فکر اسلامی کا پرجوش داعی اور اس کا مبلغ تھا، جو اس پرفتن دور میں بے خطر اپنے قلم سے اسلام کی روشن تصویر پیش کررہا تھا، جس کا قلم بشیرا ونذیرا کی عملی تفسیر تھا، جس کا طرز زندگی صوفیانہ اور علم جس کا اوڑھنا بچھونا تھا، جس نے کبھی مقصد کو اوجھل نہیں ہونے دیا اور قلم کو کبھی بکنے نہیں دیا، وہ وقت کے ساتھ ساتھ آگے تو بڑھتا رہا، معلومات کو Update تو کرتا رہا لیکن وقت کے سامنے سپر نہیں ڈالی، چیلنجوں کا مقابلہ کرتا رہا اور ان سے راہ فرار اختیار نہیں کیا، جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ اپنے زبان وقلم سے زندگی کی آخری سانس تک ادا کرتا رہا۔

لکھنے والوں نے آپ پر خوب لکھا او رلکھ رہے ہیں، میں یہاں آپ کی ان خوبیوں اور صفات حمیدہ پر روشنی ڈالنا چاہوں گا جن کا میں نے مشاہدہ کیا، ہر لمحہ مشاہدہ کیا، اور ہر موقع پر مشاہدہ کیا، وہ خوبیاں اور صفات جنہوں نے آپ کو اہل علم طبقہ میں امتیاز بخشا اور خلق خدا کے دلوں میں آپ کی محبت پیدا کی۔

۱-قرآن کریم سے بے انتہا تعلق، اس کی تلاوت اور اس کی سماعت کا بے انتہا شوق قرآن کریم سے آپ کو خاص تعلق تھا، اور اس کو آپ دل کی صفائی کا اصل ذریعہ قرار دیتے تھے، یہ حدیث ہر وقت آپ کی نگاہوں کے سامنے رہتی تھی: "**ان ھذہ القلوب تصدأ کما یصدأ الحدید اذا اصابہ الماء قیل یا رسول اللہ وما جلاؤھا؟ قال کثرۃ ذکر الموت وتلاوۃ القرآن**" (دل بھی زنگ آلود ہوتا ہے جس طرح پانی کے مسلسل گرنے سے لوہا زنگ آلود ہوجاتا ہے، آپؐ سے پوچھا گیا، دل میں لگے اس زنگ کو دور کرنے کا طریقہ کیا ہے، فرمایا، موت کی یاد اور قرآن کریم کی تلاوت)۔

جب تک آنکھوں میں روشنی رہی، آپ خود قرآن کریم کی تلاوت کرتے رہے، قرآن کریم کی تلاوت اور اس کی سماعت آپ کے لیے ویسے ہی تھی جیسے مچھلی کے لیے پانی اور زندگی کے لیے روح۔

یومیہ دو پارے کی تلاوت کرنا یا ان کی تلاوت سننا آپ کے معمولات میں شامل تھا، لیکن رمضان میں پاروں کی تعداد چھ سے سات تک پہنچ جاتی تھی، حالات چاہے جیسے بھی ہوں، طبیعت میں چاہے جتنا اضمحلال ہو لیکن قرآن کریم کی تلاوت کیے یا سنے بغیر آپ کو قرار اور سکون نہیں آتا تھا، قرآن سنتے وقت آپ کی کیفیت دیکھ کر ہر شخص یہ محسوس کرسکتا تھا کہ بے چین و بے قرار روح کو قرار آگیا، سورج کی تمازت میں کھڑے شخص کو سایہ نصیب ہوگیا، غیر رمضان میں آپ فجر کی نماز کے معابعد ایک پارہ سنتے، اور عصر کی نماز کے بعد ایک پارہ سنتے، سنانے والوں سے مسلسل رابطہ رکھتے تھے، ان کا احسان مانتے تھے، اور ان کے ساتھ احسان کا معاملہ کرتے تھے، ان سے کہہ رکھا تھا کہ اگر کہیں جانا ہو تو ایک دن پہلے خبر کردیں تاکہ قرآن کریم کسی اور سے سنا جاسکے، اور جن سے سنتے تھے ان کے علاوہ اگر کوئی سنانے کے لیے آتا تو اس کو بہت محبت سے منع فرمادیتے اور فرماتے کہ روز سنانے والے کو محسوس ہوگا، اگر کوئی حافظ قرآن اپنی یادداشات سے قرآن سنانے لگتا تو فرماتے قرآن مجید دیکھ کر سناؤ آپ کے سامنے یہ حدیث شریف رہتی تھی: "قراءة الرجل القرآن فی غیر المصحف الف درجة وقراءته فی المصحف تضعف علی ذلك الی ألفی درجة" رواه البیهقی فی شعب الایمان، (حضرت عثمان بن عبداللہ بن اوس ثقفی اپنے دادا حضرت اوس سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! آدمی کا بغیر مصحف کے قرآن مجید کا پڑھنا ہزار درجہ ثواب رکھتا ہے اور مصحف میں یعنی دیکھ کر پڑھنے کا ثواب بغیر مصحف کے پڑھنے کے ثواب سے دو ہزار درجہ تک زیادہ کیا جاتا ہے) اور جب آپ کا قرآن کریم ختم ہوتا تو سنانے والے کو مٹھائی کھلاتے تھے۔

مجھ سے اکثر پوچھتے تھے کہ قرآن کریم یومیہ کتنا پڑھتے ہو، کم از کم ایک پارہ روز پابندی سے تلاوت کرنے کی تاکید فرماتے، اور فرماتے، نجات وکامرانی قرآن کریم سے مشروط ہے، شوق دلانے کے لیے اور تحدیث نعمت کے طور پر فرماتے تھے، جب سے حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق قائم کیا ہے، اس دن سے تلاوت میں کبھی ناغہ نہیں ہوا، بلکہ یہاں تک مجھ سے فرمایا کہ الحمد للہ لکھنا پڑھنا تلاوت کے بعد ہوتا تھا، آپ کو سورہ یٰس، سورہ الفتح، سورہ الحاقۃ، سورہ الملک یاد تھیں، اور ان کی تلاوت کا معمول تھا۔

## ۲-مسجد سے آپ کا تعلق

مسجد سے آپ کا تعلق کسی پر بھی مخفی نہیں تھا، اذان کی آواز جیسے ہی آپ کی کانوں میں پڑتی تھی آپ نماز کی تیاری میں لگ جاتے تھے، وضو کرکے فوراً مسجد کی طرف روانہ ہوجاتے تھے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اسی چیز کا آپ کو انتظار تھا، ارشاد نبوی: "کثرة الخطی الی المساجد وانتظار الصلاة بعد الصلاة" کی آپ عملی تصویر تھے، یہی وہ عمل ہے جس پر گناہوں کی معافی اور رفع درجات کا وعدہ ہے، ارشاد نبوی ہے: "ألا أدلکم علی ما یرفع الله به الدرجات ویمحو به الخطایا کثرة الخطی الی المساجد وانتظار الصلاة بعد الصلاة واسباغ الوضوء علی المکاره" (کیا میں تم کو ایسا عمل نہ بتادوں جس کے نتیجہ میں اللہ تعالی درجات بلند کرتا ہے، اور گناہ مٹاتا ہے، مسجد کی طرف زیادہ قدم بڑھانا، ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا اور ناپسندیدگی کے باوجود وضو کرنا)۔

آپ مسجد میں نماز پڑھنے کو ترجیح دیتے تھے، بارہا میں نے عرض کیا: ابا آج ٹھنڈ بہت ہے، آج آپ یہیں نماز پڑھ لیں، تو فرماتے: مسجد جاسکتا ہوں، کوئی عذر شرعی نہیں ہے، کس منھ سے یہاں نماز ادا کروں، اور تم مجھ کو مسجد جانے سے مت روکا کرو۔ آخری دور میں گھٹنے میں تکلیف ہوگئی تھی، چلنے سے درد ہونے لگتا تھا، تھوڑا سا چلنے پر سانس کی تکلیف بھی ہونے لگتی تھی، مگر اس حالت میں بھی مسجد جانا ترک نہیں کیا، فجر اور عشاء کی نماز کے علاوہ ہر نماز مسجد میں ادا کرتے، اور اکثر عشاء کی بھی مسجد ہی میں ادا کرتے تھے، مسجد میں زیادہ سے زیادہ وقت صرف کرتے

تھے، فرض اور سنتوں کے بعد نوافل میں غرق ہوجاتے، نوافل کے بعد وہیں مراقبہ کرتے۔

**۳-موت کی یاد**

ارشاد نبوی ہے: "أكثروا ذكر هاذم اللذات يعني الموت" (لذتوں کو توڑنے والی چیز موت کو کثرت سے یاد کیا کرو)۔ ایک حدیث میں موت کی یاد کو دل کی پاکیزگی اور صفائی کا ذریعہ بتایا گیا ہے، یہی وہ چیز ہے جو دنیا کی حقیقت اور اس کی حیثیت کو آشکارا کرتی ہے، قبر کی زندگی کو اجاگر کرتی ہے، اللہ کے سامنے جوابدہی اور حسابدہی کا احساس کراتی ہے، گناہوں سے بچنے کی طاقت پیدا کرتی ہے، اور نیکی کی طرف لپکنے کا شوق پیدا کرتی ہے، ابا بھی موت کا مراقبہ بہت کرتے تھے، خاص طور پر یہ مراقبہ مسجد میں کرتے تھے۔

**۴-حدیث شریف اور سنت سے آپ کی وابستگی**

تخصص آپ نے ادب سے کیا تھا، لیکن وابستگی آپ کی حدیث شریف سے تھی، حدیث سے نسبت رکھنے والوں کا بہت احترام فرماتے تھے، اور ان کا بہت بلند الفاظ میں تذکرہ کرتے تھے، رمضان کے مہینے میں تکیہ میں ندوہ کے ایک استاذ حدیث تشریف لائے، ابا نے مجھ سے کہا، ان کا بہت خیال رکھنا، مغرب بعد ان کو گھر بلانا، اور ان کے لیے کچھ اہتمام کرنا، یہ حدیث شریف کے استاذ ہیں۔

مجھ کو ایک مرتبہ اسلامی معاشرہ پر چالیس احادیث جمع کرنے کا حکم دیا، اور اس پر نہایت وقیع مقدمہ تحریر فرمایا، انتقال سے کچھ دن قبل ان احادیث کو جمع کرنے کا حکم دیا جو ایمانیات سے متعلق ہیں، اور ہر بار فون کرنے پر یہی پوچھتے تھے کہ کام کتنا ہوا؟ جلدی مکمل کرو! اور فرماتے تھے: تمہارے نیک عمل کا ثواب ہم کو بھی ملے گا۔ میرے بھائی امین کو غزوۂ بدر میں شریک ہونے والے صحابہ کے نام جمع کرنے کا حکم دیا۔

**۵- خدمت دین کے لیے اولاد کی تربیت**

فرماتے تھے: تقریر کیا کرو، دین کی بات دوسروں تک پہنچایا کرو، اس سے خود بھی عمل کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، اور دوسروں کی اصلاح تمہارے لیے صدقہ جاریہ ہے۔ فرماتے تھے: ہر تقریر اور ہر بات قرآن کریم اور حدیث شریف کی تفسیر وتشریح کے طور پر ہونی چاہیے۔

**۶-اتباع سنت**

اتباع سنت آپ کا خاص وصف تھا، ہر کام کو سنت کی نیت سے کرتے تھے، مسواک کا خاص اہتمام تھا، مسواک ہر وقت آپ کی جیب میں رہتی تھی اور ہر نماز سے قبل مسواک فرماتے تھے، اور اس کی تاکید فرماتے تھے، مسواک ہی کی برکت تھی کہ نزع کے عالم میں آپ کی زبان پر کلمہ تھا۔

بارہا ایسا ہوا کہ میں نے غفلت میں موزے کو دائیں پیر سے نکالنا چاہا یا بائیں پیر میں پہنانا چاہا تو فوراً پیر کھینچ لیتے اور کہتے سنت دائیں پیر میں پہنانے میں ہے اور بائیں پیر سے اتارنے میں ہے، چاشت اور اوابین کی نمازوں کا خاص اہتمام تھا، اس میں بھی جہاں تک میرے علم میں ہے کبھی ناغہ نہیں ہوا۔

**۷-صدقات وخیرات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا**

آپ کے ہاں صدقہ کا خاص اہتمام تھا، اکثر ایسا ہوا کہ مجھ کو دے کر فرمایا: تم صدقہ کردینا، فرماتے تھے: صدقہ کیا کرو، اللہ تعالی اس سے خوش ہوتا ہے۔ خود تقشف اور زاہدانہ زندگی کے عادی تھے، کبھی مجھ کو ذاتی خرچ کے لیے دیتے میں عرض کرتا: ابا میرے پاس ہیں، فرماتے، مجھ کو معلوم ہے، لیکن انفاق کی بڑی فضیلت ہے، رمضان المبارک میں تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سب کچھ لٹادیں گے، اپنے بچپن کے ایام کو اکثر یاد فرما کر آزردہ ہوجاتے اور فرماتے کہ میں ان ایام کا تذکرہ تم لوگوں کے سامنے اس لیے کرتا ہوں کہ تاکہ تم کو معلوم ہو کہ ہمارے رب کا کتنا بڑا فضل ہے، یہ سب دین کے صدقہ میں ملا، عزت، شہرت اور لوگوں کی محبت، اگر دین نہیں تو یہ سب بے معنی اور بے حیثیت ہے، اور اگر دین ہے تو آخرت اس سے کئی گنا بہتر ہے۔

**۸-تواضع**

آپ تواضع کے عملی پیکر تھے، اس میں ادنی تصنع کی آمیزش نہیں تھی، یہی وجہ تھی کہ آپ کے شاگردوں کے دلوں میں آپ کی بڑی قدر ومنزلت تھی: "من تواضع لله رفعه الله" کا آپ مصداق تھے، ہمیشہ سر

جھکا کر چلتے تھے۔ معتمد تعلیم کے عہدہ کو قبول کرنے سے آپ نے انکار کر دیا تھا، لیکن نگاہ انتخاب آپ ہی پر تھی، آپ کو قبول کرنا پڑا، اور آپ نے اس عہدہ کے ساتھ انصاف کیا۔ اختلاط سے ہمیشہ مجتنب اور مجمع سے کوسوں دور رہے، جلسہ گاہ میں اسٹیج سے نیچے بیٹھتے تھے، آپ اس شعر کا مصداق تھے:

**تری الرجل النحیف فتزدریہ**
**وفی أثوابہ أسد زئیر**

(تم ایک لاغر اور کمزور شخص کو معمولی نگاہ سے دیکھتے ہو حالانکہ اس کے اندر دھاڑتا ہوا شیر ہے)۔

### ۹-غیبت سے اجتناب

غیبت کو برداشت نہیں کر سکتے تھے، آپ کی نگاہوں میں یہ حدیث رہتی تھی: تم دو چیزوں کی ضمانت لے لو میں جنت کی ضمانت لے لوں گا، زبان اور شرم گاہ۔ غیبت کی مجلس میں بیٹھنا گوارا نہیں تھا، فوراً روک دیتے تھے، کئی بار میرے ساتھ واقعہ ہوا، میں نے کسی کا تذکرہ مذمت سے کیا فوراً روک دیا، اسی طرح آپ کا دل ہر طرح کی منفی سوچ، منفی تبصرہ یا کسی کی دل آزاری، حسد، کینہ اور ان جیسے رذائل سے بالکل پاک وصاف تھا اور یہ ایسی قابل رشک صفات ہیں جس پر جنت کا پروانہ مل جاتا ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں ایک صحابی کو مسلسل تین روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجلس میں حاضری پر جنت کی بشارت دی، تیسرے روز حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ رہنے کی بات کہی تاکہ دیکھیں وہ کونسا عمل کرتے ہیں جس کی وجہ سے ان کو زبان نبوت سے جنت کی بشارت مل رہی ہے انہوں نے تین دن تک کوئی ایسا نمایاں عمل نہیں دیکھا، آخر میں ان سے پوچھا انہوں نے بتایا: میرا دل کسی مسلمان کے تعلق سے بالکل صاف ہے، یعنی نہ میرے دل میں کسی کے تعلق سے کوئی دھوکہ ہے اور نہ کسی سے حسد۔ حضرت عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں اسی چیز نے ان کو جنت کا مستحق بنایا۔

### ۱۰-مہمان نوازی

مہمان نوازی آپ کا خاص وصف تھی، مہمان نوازی میں اتنا آگے بڑھے ہوئے تھے کہ اکثر تکیہ کے قیام میں میں آپ سے کہتا کہ ابا ناشتہ گھر میں کریں، اچھا لگے گا، راضی ہو جاتے، گھر تشریف لاتے، لیکن پہلے ناشتہ مہمانوں کے لیے باہر بھجواتے، اور تاکید کرتے کہ ان کے احترام کی خاطر تم وہیں رہنا، اور جب تک باہر ناشتہ نہیں چلا جاتا آپ کو قرار نہیں آتا، اسی طرح عصر بعد لکھنؤ خاتون منزل تشریف آوری کے موقع پر آپ کے سامنے چائے دیگر لوازمات کے ساتھ پیش کی جاتی آپ اس کو مہمانوں کے لیے باہر بھیج دیتے اور خود صرف چائے پر اکتفاء کرتے تھے۔

### ۱۱-صلہ رحمی

صلہ رحمی میں بھی آپ بہت ممتاز تھے، خاندان میں جو لوگ مالی لحاظ سے کمزور ہیں ان کی گاہے بگاہے خاموشی سے مدد کرتے رہتے تھے، اور اتنی خاموشی سے کرتے تھے کہ خود آپ کے قریب ترین لوگ نہیں جان پاتے تھے کہ آپ کس کس کی مدد کرتے ہیں، بس ان چند لوگوں کو علم تھا جن کے واسطہ سے آپ ان کی مدد کرتے تھے۔

### ۱۲-اساتذہ کا احترام

میرا مشاہدہ ہے کہ آپ اساتذۂ کرام کے لیے ایصال ثواب کرتے تھے، ان کا تذکرۂ خیر کرتے تھے، اور ان کے اپنے اوپر احسانات کا برملا اعتراف کرتے تھے، فرماتے تھے، مجھے عربی زبان میں جو کچھ لکھنا آتا ہے یہ سب فیض ہے مولانا محبوب الرحمٰن ازہری صاحب ندوی رحمہ اللہ علیہ کا، ان کے طریقہ تدریس سے مجھ کو بہت فائدہ ہوا، اسی وجہ سے ان کے فرزندوں کا بہت خیال رکھتے تھے، ان کی خیریت لیتے رہتے تھے۔ مولانا ابوسحبان صاحب ندوی مدظلہ استاذ حدیث دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے جب بھی ملاقات ہوتی، مولانا محبوب الرحمٰن ازہری ندوی رحمہ اللہ کا تذکرہ بڑے احترام سے کرتے اور ان سے اپنے جذباتی تعلق کا اظہار کرتے، مولانا ابوسحبان صاحب ندوی مدظلہ کی اہلیہ (جو مولانا محبوب الرحمٰن ازہری ندوی رحمہ اللہ کی صاحبزادی ہیں) کی خیریت پوچھتے، اسی طرح علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ کے فرزند ارجمند مولانا سید سلمان صاحب مقیم افریقا کا بہت احترام

کرتے تھے، جب کہ ان میں اور آپ میں عمر میں زیادہ فرق نہیں تھا، ان سے فرماتے تھے: آپ ہمارے استاذ زادے ہیں، آپ کے والد بزرگوار سے براہ راست تو ہم نے تعلیم حاصل نہیں کی، لیکن وہ کئی بار ہمارے درجہ میں تشریف لائے ہیں، علامہ سید سلیمان صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا معاملہ یہ تھا کہ ندوہ میں قیام کے دوران درجوں کا بھی دورہ کرتے اور طلباء سے مختلف پہلوؤں پر سوالات کرکے ان کی تعلیمی سطح سے واقفیت حاصل کرتے، ابا کا اشارہ اسی طرف تھا۔

**۱۳-مریض کی عیادت**

آپ مریض کی عیادت کو ایک دینی فریضہ قرار دیتے تھے، جاسکنے کی صورت میں خود عیادت کی غرض سے تشریف لے جاتے، اور نہ جاسکنے کی صورت میں اپنا نمائندہ وہاں بھیجتے، اور خود موبائل پر خیریت لیتے رہتے، بسا اوقات صرف دینی ملاقات کی خاطر سفر کی صعوبتیں برداشت کرتے، آپ اس حدیث کی عملی تفسیر تھے: "**من عاد مریضا أو زار أخا له فی الله ناداه مناد أن طبت وطاب ممشاك وتبوأت من الجنة منزلا**"، جس نے کسی مریض کی عیادت کی یا اپنے مسلمان بھائی سے اللہ کے لیے ملاقات کی تو ایک آواز لگانے والا آواز لگاتا ہے کہ تم خوشگوار حالت میں ہو، اور تمہارا جانا خوشگوار اور بابرکت ہے اور تم نے جنت میں اپنا ٹھکانا بنالیا۔

**۱۴-اللہ تعالی سے ملاقات کا شوق**

یہ شوق آپ پر اس قدر غالب تھا کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ کو کسی پل قرار نہیں، اکثر نجی مجلس میں فرماتے تھے: اب دنیا میں بہت رہ لیے، اللہ سے ملاقات کا جی چاہتا ہے، کبھی فرماتے ہماری عمر پوری ہوگئی، ایکسٹرا جی رہے ہیں؛ "**من أحب لقاء الله أحب الله لقاءه**"۔

**۱۵- موت کا استحضار آپ کو بہت تھا**

ہر رات کو اپنی آخری رات سمجھتے تھے، اور آخری رات سمجھ کر ہی تمام اوراد و وظائف پڑھتے تھے، اور اس کا آپ نے بارہا اظہار فرمایا۔

**۱۶-اپنا کام خود کرنا اور خدمت سے اجتناب**

اس وصف میں بھی آپ بہت نمایاں تھے، کسی سے خدمت نہیں لینا چاہتے تھے، اپنا کام خود کرنا پسند کرتے تھے، گھر میں تشریف لاتے کسی ایسی چیز پر نظر پڑتی جو بے ترتیب ہوتی تو کبھی ہم لوگوں سے نہیں کہا کہ اس کو ٹھیک کردو، خود اس کو ٹھیک کرتے، ہم لوگ دیکھ کر لپکتے تھے، لیکن اکثر آپ کر چکے ہوتے تھے، غسل کے بعد کے اپنے استعمال شدہ کپڑے خود جاکر استعمال شدہ کپڑوں میں ڈالتے، اور ہم لوگ آکر لینا چاہتے تو فرماتے ہمارے نبیؐ اپنے کام خود فرماتے تھے، اسی طرح خدمت لینے سے کلی اجتناب تھا، اکثر میں پیر دبانے کی کوشش کرتا تو فرماتے، ہمارے نبیؐ خدمت نہیں لیتے تھے۔

**۱۷-وقت آخر کا عمل**

انتقال سے ایک روز قبل معمول کے مطابق سورہ آل عمران کا آخری حصہ مجھ سے سنا، ابا کا معمول تھا کہ خاموشی کے ساتھ قرآن کریم سنتے تھے، لیکن اس بار معمول سے ہٹ کر "**متاع قلیل ثم مأواهم جهنم**" پر بے ساختہ فرمانے لگے: یہ آیت فریم کرکے آویزاں کرنے کی ضرورت ہے، کیا کشش ہے کلام الٰہی میں، کیا ادب ہے کلام الٰہی میں، متاع قلیل، چند روزہ زندگی، پھر دشمنان دین کے لیے ہلاکت اور بربادی ہے، اور اللہ والوں کے لیے کامیابی ہی کامیابی ہے، لیکن کامیابی مشروط ہے صبر سے، تقوی سے اور اعمال صالحہ پر جمے رہنے سے، اس وقت وہاں اچھے ابا (حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ) انجینئر عبد الرشید صاحب حیدرآبادی، مقیم حال مدینہ منورہ، اور ان کے فرزند ارجمند تھے۔

ابا' اپنی حیات مستعار کے آخری دن سورۂ آل عمران سن کر اس دنیا سے تشریف لے گئے، اس سورت کے آخر میں دعاؤں کے بعد ایک آیت ہے: **فاستجاب لهم ربهم الخ**، جس سے یہ نیک فال نکالی جاسکتی ہے کہ ان کی دعائیں اللہ تعالی کی بارگاہ میں ان شاء اللہ شرف قبولیت پاگئی ہوں گی۔

وفات بھی آپ کی قابل رشک ہوئی،

تہجد کے لیے بیدار ہوئے، ٹھنڈے پانی سے وضو فرمایا، معاً بعد تکلیف شروع ہوئی، جس میں اضافہ ہوتا گیا، فجر کا وقت آ گیا، اچھے ابا تہجد میں مشغول تھے، ابی قرآن کی تلاوت میں او رمیں مسنون دعاؤں میں، مولوی سبحان ثاقب سورہ یس کی تلاوت میں او ربھائی صاحب نماز میں مشغول تھے، اچانک اذان شروع ہوگئی اور اسی وقت سے آپ پر سکرات کا عالم طاری ہوگیا، اپنے فرزند ارجمند سے فرمایا: قرآن کی تلاوت کرو، اور خود کلمہ میں مشغول ہوگئے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تکلیف ختم ہوگئی، اب سکون ہے، اذان کے ختم ہونے سے قبل روح فانی جسم سے نکل کر پرواز کرگئی: طاب حياً وطاب ميتاً.

اللہ تعالیٰ آپ کی بال بال مغفرت فرمائے، آپ کا حشر انبیاء صدیقین اور شہداء کے ساتھ فرمائے، اپنی رؤیت سے آپ کو سیراب کرے، اور شراب طہور سے آپ کی ضیافت کرے، نزلا من غفور رحيم کے آپ حقدار ہوں، جنات تجری من تحتها الانهار آپ کا ٹھکانہ ہو، اور خوب رحمتوں کی بارش ہو۔ اللّٰهم اغفر له ،وارحمه وأكرم نزله، ووسع مدخله ،واغسله بالماء والثلج والبرد ونقه من الذنوب والخطايا كما ينقى الثوب الأبيض من الدنس.

☆☆☆

# رضوان کے سالانہ خریداروں سے گزارش

یہ بات آپ کے علم میں ہے کہ ماہنامہ رضوان کی اشاعت خالص تبلیغی مقاصد کو پیش نظر رکھ کر کی جاتی ہے۔ کوئی تجارتی کاروباری مفاد اس اشاعت میں پیش نظر نہیں ہے۔ چنانچہ ۴۰ صفحات کے اس رسالے کی قیمت انتہائی کم (فی شمارہ صرف تیس روپے اور سالانہ خریداری -/300 روپے) ہے۔ ہمارے پیش نظر نفع بخش کاروبار نہیں بلکہ ہم اپنے وسائل میں رہتے ہوئے رضوان کے ذریعے بیش بہا مضامین شائع کرتے ہیں۔ اس ضمن میں رضوان کے سالانہ خریدار بھی اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ اگر تمام سالانہ خریدار اپنی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے بروقت اپنی سالانہ رقوم "ادارہ رضوان" کو بھیج دیں تو وہ بھی ہماری ان تبلیغی کوششوں میں معاون ہوں گے۔

سالانہ خریداروں سے گزارش ہے کہ مدت خریداری ختم ہونے پر زر سالانہ کی ترسیل میں جلدی فرمائیں۔ ہر ماہ سرخ نشان کے ذریعہ ان کو اطلاع دی جاتی ہے۔ اور منی آڈر فارم بھی روانہ کیا جاتا ہے۔ تاکہ یاددہانی ہو سکے۔

یاد رکھئے! زر سالانہ کی بروقت عدم وصولی سے ادارے پر مالی بوجھ بڑھتا ہے اور پچھلے کچھ عرصے سے اس میں اضافہ ہی ہوا ہے لہٰذا سالانہ خریداروں سے گزارش ہے کہ رضوان کی مدت خریداری ختم ہوتے ہی زر سالانہ کی ادائیگی کریں تاکہ ادارے پر مالی بوجھ نہ پڑے بصورت دیگر اگر آئندہ "رضوان" خریدنا نہیں چاہتے، تب بھی خط لکھ کر یا بذریعہ فون اس بارے میں دفتر رضوان کو مطلع فرمادیں۔ نیز اپنا خریداری نمبر یا جس نام سے رسالہ جاری ہے وہ پتہ صاف اور خوشخط ضرور لکھیں۔ آپ کا تعاون اس دینی سعی وکاوش میں ہمارے لئے نہایت اہم اور "رضوان" کے معیار میں اضافے کے ساتھ آپ کیلئے کار خیر کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

قارئین رضوان سے گذارش ہے وہ اپنا سالانہ چندہ مندرجہ ذیل اکاؤنٹ میں جمع کر سکتے ہیں۔

**Bombay Mercantile Co-operative Bank, Lucknow-18**

**Name of Account "RIZWAN MONTHLY", Account No. : 205110100005299**

**IFSC Code : UTIBOSBMCBI**

نوٹ: رقم ڈالنے کے بعد دفتر کو مطلع ضرور کریں ورنہ رقم آپ کے کھاتہ میں منتقل نہ ہوگی۔ اس نمبر پر مطلع کریں **Cantt. No. : 9415911511**

سید رشید احمد حسنی ندوی

# چھوٹے ابا کی کچھ خصوصیات، کچھ یادیں

۱۶/جنوری بروز بدھ ستاروں میں سب سے چمکنے والا ستارہ غروب ہوگیا، جو ظلمت و تاریکی میں قندیل و چراغ کا کام کررہا تھا، اس موجودہ دنیا میں وہ ستارہ چمک رہا تھا اور لوگوں کو نفع پہنچا رہا تھا، وہ ستارہ جو موجودہ دنیا میں حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی نوراللہ مرقدہ کے نام سے متعارف تھا، آج لوگ دنیا میں پھر سے ان کو یاد کررہے ہیں، ان کے علمی کارناموں کا تذکرہ کررہے ہیں، اب میں ان کی مبارک زندگی پر کچھ مختصر سی روشنی ڈالتا ہوں۔ ہمارے چھوٹے ابا ۱۹۳۳ء میں رائے بریلی میں پیدا ہوئے، آپ کے والد سید رشید احمدؒ اور آپ کی والدہ سیدہ امۃ اللہ العزیز (مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نوراللہ مرقدہٗ) کی بڑی بہن تھیں، آپ کی والدہ نہایت ہی عابدہ و زاہدہ و ولی صفت خاتون تھیں، آپ کی والدہ کی بیعت و اصلاح کا تعلق حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ سے تھا۔

## تعلیمی مراحل:

ہمارے چھوٹے ابا نے اپنی والدہ سے ابتدائی تعلیم حاصل کی، آپ کو نبیوں کے واقعات اور نیک لوگوں کے قصے سنایا کرتی تھیں، ان واقعات نے جو آپ کی شخصیت کو اسلامی شخصیت کی تعمیر میں بڑا کردار ادا کیا تھا، آپ نے مولانا ابوبکر حسنیؒ سے قرآن کریم پڑھنا سیکھا پھر آپ نے شیخ عزیز الرحمٰن حسنی کی شاگردی اختیار کی، وہ آپ کے بڑے بھائی مرشد الامۃ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے بھی استاذ تھے، آپ نے شیخ عزیز الرحمٰن حسنیؒ سے اردو اور فارسی کی ابتدائی کتب پڑھیں، ان کے پھر استاذ جمیل سے اس کے بعد کی ابتدائی کتابیں پڑھیں، پھر آپ نے رائے بریلی کے مدرسہ الٰہیہ میں داخلہ لیا، اس دور کے آپ کے ہم سبق ساتھی سید مصباح الدین حسنی اور سید مرتضیٰ حسنی تھے، آپ نے ابتدائی اور ثانوی مرحلہ مکمل کرلیا، پھر آپ نے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ۱۹۴۴ء کو عالمیت کے پہلے سال میں داخلہ لیا، آپ نے عالمیت کا مرحلہ پورا کرلیا اور پھر عربی زبان میں آپ نے اختصاص حاصل کیا، دارالعلوم ندوۃ العلماء میں آپ نے ان اساتذہ سے تعلیم حاصل کی، پہلے سال میں آپ نے شیخ محبوب الرحمٰن ندوی ازہری و شیخ محمد عمران خان ندوی سے درسی کتابوں کا آغاز کیا، وہ دونوں خالص عربی لہجہ و فصیح عربی میں بات کیا کرتے تھے، انہوں نے آپ کے دل میں عربی زبان کی محبت پیدا کی، آپ نے ۱۹۵۱ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء سے فراغت حاصل کی، اس کے بعد علی گڈھ مسلم یونیورسٹی سے انگریزی میں (بی اے) کیا، لکھنؤ میں تعلیم کے دوران آپ کے دونوں ماموں حضرت ڈاکٹر عبدالعلی حسنیؒ اور مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن حسنی ندویؒ کی رہنمائی و تربیت غالب رہی۔

## عملی دور

آپ نے عملی زندگی کی ابتدا آل انڈیا ریڈیو میں بحیثیت عربی مترجم و اناؤنسر کی، جہاں آپ نے ۱۹۵۳ء سے ۱۹۷۳ء تک بیس سال کام کیا، اس دوران آپ نے علوم سیاسیات و سوشیالوجی، انگریزی زبان و ادب، مغربی تمدن و سیاست، اس کے اتار و چڑھاؤ اور عام زندگی پر اس کے اثرات کا گہرائی سے مطالعہ کیا، آپ کے متعدد علمی و ادبی مقالات و مضامین عربی زبان میں شائع ہوئے۔

## تدریسی دور

اس کے بعد ۱۹۷۳ء میں آپ کی تدریسی دور کا آغاز حضرت شیخ مولانا محمد زکریا

کاندھلویؒ کے شدید اصرار پر دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ہوا، اور بحیثیت استاذ ادب عربی آپ کا تقرر ہوا اور پندرہ روزہ الرائد کے ایڈیٹر مقرر ہوئے، پھر ۲۰۰۰ء میں کلیۃ اللغۃ العربیہ وآدابہا کے عمید بنائے گئے اور المعہد العالی للفکر الاسلامی کے مدیر بنائے گئے اور ۲۰۰۶ء میں حضرت مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کے انتقال کے بعد ندوۃ العلماء کے معتمد تعلیم بنائے گئے اور اپنے درس وتدریس میں آپ نے اپنی تدریسی صلاحیتوں کا خوب لوہا منوایا، لہٰذا جب درس دیتے تو قدیم ماہر لسانیات کا طرز اپناتے، ہر لفظ کی مکمل لغوی و معنوی تشریح کرتے، ساتھ ہی طلبہ کو مصادر عربی ادب کی طرف رجوع ہونے کا مشورہ دیتے، آپ قابل استاذ ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے اعلیٰ اخلاق اور نرم وخوش مزاج ہونے کے باعث طلباء میں از حد مقبول تھے، ہر طالب علم کو لگتا کہ وہ حضرت مولانا کے سب سے زیادہ قریب ہے۔

## ابا کی خصوصیات و کمالات

ابا رحمۃ اللہ علیہ بہت سی خصوصیتوں اور صلاحیتوں اور امتیازات کے مالک تھے، لیکن اخفائے حال میں بالکل یکتا تھے کچھ خصوصیات کا تذکرہ کرتا ہوں۔

### ۱-قرآن کریم سے شغف:

قرآن کریم کی تلاوت کرنا اور بینائی کمزور ہو جانے کی صورت میں اس کی تلاوت سننا ان کے لیے غذا کا درجہ رکھتا تھا، قرآن کریم کا ناغہ نہیں کرتے تھے، آخری وقت میں بھی اس کی پابندی فرمائی۔

### ۲-مسجد سے تعلق:

مسجد سے ان کا تعلق کسی بھی تعلق والے پر مخفی نہیں، ہر حال میں مسجد میں نماز پڑھنے کو ترجیح دیتے تھے، پاؤں میں درد رہنے لگا تھا، گھٹنے کی تکلیف بڑھ گئی تھی، زیادہ چلنے پر سینے میں درد ہونے لگتا تھا، لیکن اس وقت بھی مسجد جانا ترک نہیں کیا ہر نماز مسجد میں ادا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

### ۳-صدقہ:

آپ کے یہاں صدقہ کا خاص اہتمام تھا، بسا اوقات لگتا تھا سب کچھ لٹا دیں گے۔

### ۴-تواضع:

آپ تواضع وللّٰہیت وفنائیت کے عملی پیکر تھے، آپ انتہائی منکسر المزاج اور حیا وسادگی کے پیکر تھے، استغناء وبے نفسی تو آپ کی فطرت و طبیعت کا حصہ بنی ہوئی تھی، خاموش طبیعت مگر ہر وقت فکر و تدبر میں ڈوبا ہوا ذہن ذکر و عبادت کا ذوق، یہ تمام وہ خصوصیات وخصائل ہیں جو تادم حیات آپ کی پہچان بنے رہے۔

## کچھ یادیں

ہمارے چھوٹے ابا ہم پر بہت شفقتیں فرمایا کرتے تھے، بار بار کہتے تھے کہ ہمارے پاس آیا کرو لیکن ہماری بڑی نالائقی وکاہلی تھی کہ میں زیادہ جا نہیں سکا اور ان سے کم فائدہ اٹھایا۔ جب بھی ندوہ میں جاتا تو ابا سے ملنے کے بعد چھوٹے ابا سے ملتا تو خیریت پوچھتے اور فرماتے مدرسہ میں کیا کر رہے ہو؟ کیا پڑھا رہے ہو؟ میں عرض کرتا ابتدائی کتابیں پڑھاتا ہوں۔ تو فرماتے تم حدیث کی کتاب پڑھایا کرو اور فرماتے ماہنامہ ''رضوان'' میں مضمون لکھا کرو۔ ایک دن میری والدہ ماجدہ مخدومہ مدظلہا نے ہمارے چھوٹے ابا سے عرض کیا کہ آپ میرے بیٹے پر توجہ فرمائیں۔ ان سے بھی کچھ لکھوایا کریں۔ ان کو اپنے پاس بلائیں، اس پر چھوٹے ابا نے بہت ہی محبت وشفقت فرماتے ہوئے کہا کہ ہاں آجایا کرو اور بھی ناصحانہ کلمات ارشاد فرمائے۔ اس کی وجہ سے مجھ پر بہت اثر پڑا، میں نے عہد کیا ان شاء اللہ اب ندوہ ضرور جاؤں گا اور میں ایک دن کے وقفہ سے ندوہ جانے لگا، مگر کچھ دن میں دارالعلوم ندوۃ العلماء اور ہمارے مدرسہ میں پندرہ دن کی تعطیل ہوگئی اور میں تکیہ کلاں رائے بریلی چلا گیا اور ان کے پاس جانے اور ان سے ملنے اور ان سے استفادہ کرنے سے محروم ہو گیا اور آپ میرے تکیہ جانے کے بعد اپنے وطن دائرہ شاہ علم اللہ تکیہ کلاں رائے بریلی چار گھنٹہ کے لیے تشریف لے گئے اور دوپہر کو کھانے کے بعد اپنے گھر آپ تشریف لائے اور کچھ دیر رہے، گھر والوں سے گفتگو فرمائی، میں بھی وہیں موجود تھا، میں نے سلام عرض کیا، اس کے بعد کچھ دیر رہے، پھر لکھنؤ تشریف لے گئے، اس کے کچھ دن کے بعد انتقال فرما گئے، اللہ آپ کے درجات بلند فرمائے، آمین۔

## عہدے و مناصب

۱-معتمد تعلیم ندوۃ العلماء لکھنؤ، انڈیا

۲-جنرل سکریٹری عالمی رابطہ ادب اسلامی

۳-جنرل سکریٹری مجلس تحقیقات ونشریات اسلام
۴-رکن ابوالکلام آزاد سوسائٹی لکھنؤ
۵-ناظم مدرسہ فلاح المسلمین، رائے بریلی
۶-نائب صدر دارعرفات رائے بریلی

اس کے علاوہ متعدد تنظیموں اور علمی اداروں کے سرپرست بھی تھے اور آپ ملک و بیرون ملک خاص طور پر قاہرہ، عمان، لاہور، تاشقند، مکہ مکرمہ، آکسفورڈ یونیورسٹی، ریاض، مدینہ منورہ اور استنبول وغیرہ کے علمی وادبی اور تربیتی سمیناروں میں شریک رہے۔

## ہمارے چھوٹے ابا کے آخری لمحات

وفات والے دن حضرت مولانا کے پاس موجود آپ کے صاحبزادے ہمارے شفیق ومحبوب چچا جان مولانا سید جعفر مسعود حسنی ندوی کا بیان ہے کہ حضرت چھوٹے ابا آخر وقت میں معمول کے مطابق تہجد کے لیے اٹھے، ٹھنڈے پانی سے وضو کیا اور وضو کے معاً بعد طبیعت بگڑنا شروع ہوئی، پیٹ میں تکلیف اور درد کا احساس تھا لیکن جیسے ہی فجر کی اذان شروع ہوئی اپنے فرزند ہمارے چچا جان حضرت مولانا جعفر مسعود حسنی ندوی دامت برکاتہم سے فرمایا کہ قرآن پڑھو اور خود بھی کلمہ کا ورد شروع کیا، حضرت مولانا علیہ الرحمہ کے پوتے اور ہمارے خالہ زاد بھائی مولانا سید خلیل احمد حسنی ندوی نے بھی قرآن کی تلاوت شروع کی اذان کے شروع ہوتے ہی کلمہ کا ورد شروع کیا اور اذان پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ روح ملأ اعلیٰ سے جا ملی، کلمہ کا ورد کرتے ہوئے اور قرآن کریم کی تلاوت سنتے ہوئے حضرت مولانا دنیا سے رخصت ہوگئے اور طاب حیاً و طاب میتاً کی مثال پیش کر گئے، اللہ تعالیٰ آپ کی بال بال مغفرت فرمائے، آمین۔ ○

# ایک دلآویز وباوقار شخصیت اور مثالی مربی.....

**شہاب الدین ندوی**

مخلص کرم فرما، محترم دوست مولوی سلطان الہدیٰ ندوی الہ آبادی چند گھنٹوں کی انتہائی مختصر علالت کے بعد ہارٹ اٹیک سے دوچار ہوکر چلتے پھرتے ۱۴/اپریل مطابق ۸/شعبان کو اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ جانکسل حادثہ اس طرح اچانک پیش آیا کہ سننے والوں کو آسانی سے یقین نہیں آرہا تھا۔ مگر.....

مولوی سلطان الہدیٰ ندوی کو آج مرحوم لکھتے ہوئے قلم کا جگر شق ہوا جارہا ہے اور دل خون کے آنسو رو رہا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ ایک مخلص ومحترم دوست سے ہی محرومی نہیں ہوئی بلکہ اپنے گھر کے ایک عزیز ترین فرد اور محترم و باوزن شخصیت سے محروم ہوگیا۔ خدا انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔ آمین۔

مولوی سلطان الہدیٰ ہمارے انتہائی بے تکلف ومخلص دوست، بڑے صائب الرائے و دوراندیش کرم فرما، بزرگوں سے سچا عقیدتمندانہ تعلق رکھنے والے، مسترشد، بیحد خلیق وملنسار اور اساتذہ کرام سے دل سے محبت رکھنے والے شاگرد تھے۔ تھانوی سلسلہ کے ایک جلیل القدر خلیفہ حضرت شاہ وصی اللہ صاحب سے نسبی وخاندانی تعلق رکھنے والے ندوۃ العلماء کے ایک ممتاز وہونہار فاضل تھے۔ معہد دارالعلوم ندوۃ العلماء کے سینئر ولائق وفائق استاذ تھے۔ بہترین مربی اور معہد کے نگرانِ اعلیٰ تھے۔ آپ کا چہرہ پُر رعب، شخصیت پُر وقار اور آپ کی ذات حسن اخلاق کا ایک پیکر جمیل تھی۔ جب آپ گفتگو کرتے تو سنجیدگی ومتانت ظاہر ہوتی۔ غرضیکہ آپ کی ذات نیکی وشرافت اور ہمدردی وغمخواری کا حسین مجموعہ تھی۔ آپ ایک بزرگ خاندان کے چشم وچراغ تھے۔ اس مستند بزرگانہ نسبت کے بابرکت اثرات ان کے شب وروز اور ان کے عمل واخلاق میں واضح طور پر نظر آتے تھے۔ بڑوں وبزرگوں سے انتہائی ادب و تواضع سے ملتے تھے تو چھوٹوں پر انتہائی شفیق ومہربان تھے۔ سنت پر عمل کرتے ہوئے بچوں سے بڑی محبت وشفقت سے ملتے تھے۔ بیوی کے لئے بھی بڑے وفادار شوہر تھے۔

غرضیکہ مرحوم بڑی خوبیوں کے حامل اور بڑے اوصاف حمیدہ کے پیکر تھے۔ خدا ان کی بال بال مغفرت فرمائے۔ ان کی قبر کو جنت کا باغیچہ بنائے۔ اور ان کی اکیلی بیوہ کی کفالت کا بہترین انتظام فرمادے۔ اور جملہ برادران وخواہران اور تمام متعلقین واحباب کو خدا صبر جمیل نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین

# فلک کا ستارہ، چراغِ زمیں وہ

نتیجہ فکر: بنت سید عمار حسنی

فلک کا ستارہ چراغِ زمیں وہ
وہ بجھ کر بھی روشن جہاں کر گیا ہے
وہ صدق و صفا اور شجاعت کا پیکر
وہ قرآن و سنت کا پابند انساں
وہ آغوش رحمت میں یوں سو گیا ہے
وہ زہد و توکل کی تصویر کامل
سبق اس کا ہم کو بتاتا گیا ہے
تواضع کی اس کی عجب داستاں تھی
عجب خاکساری، عجب انکساری
وہ شہرت، بلندی، وہ دنیا سے بچنا
ادیب و مفکر، وہ بے لوث داعی
محدث، مربی، وہ رشد و عمل بھی
کہ جس کی زبانی قلم بولتا تھا
سکوت ایسا جس پر تکلم فدا تھا
سراپا کرم تھا محبت کا پیکر
محبت تھی اس کو سبھی سے وہ ایسی
اقارب ہوں یا غیر ہوں وہ سبھی کو
محبت و الفت کا پیغام دے کر
حدیثوں کو دل سے لگا کر وہ ہم کو
وفا اور ایثار کا بن کے پیکر
سبق اس کا ہم کو بتاتا گیا ہے
لقاء الٰہی ہو، دیدار رب ہو
وہ مشتاق ایسا جو دیکھا تھا میں نے
وہ رحمت کی ٹھنڈی ہواؤں میں گم ہے
حدیثوں سے نسبت تھی علم و عمل کی
کتاب خدا سے اتنی محبت تھی
شب و روز اس کی تلاوت وہ کر کے
سبق اس کا ہم کو بتایا گیا ہے
تھی امت کی راتوں پہر فکر اس کو
دل و جان اسلام پر کر کے قرباں
ترے دین پر اور امت کے غم میں
خدایا ہمیں بھی چلا جانب حق
بنا اپنا محبوب ہم کو خدایا!
ہمیں بھی تو کر دے عطا ایسی خصلت
یوں گزرے عمر اور انجام بہتر

○○○

سید عبدالحی حسنی ندوی

# پیارے ابا رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ (ابا) کا تعلق ایک ایسے علمی ودینی خانوادہ حسنی سے تھا جو محتاج تعارف نہیں، اس خاندان کی امتیازی صفت اعلاء کلمہ حق ہے، اس خاندان میں ایسی ایسی جلیل القدر شخصیات پیدا ہوئیں جن کی زندگیاں دین کی نصرت کے لیے وقف تھیں، ان کی زندگیاں اس آیت کا عکس جمیل تھیں، ان **تنصروا اللّٰہ ینصرکم ،ویثبت اقدامکم**، اگر تم اللہ کے دین کی مدد کروگے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا او رتمہارے قدم جمادے گا، نصرت دین پر اللہ کی طرف سے کیا کیا انعامات ہوتے ہیں اس کی جھلک انصار میں دیکھی جاسکتی ہے، جن سے محبت کو آپؐ نے ایمان کی علامت قرار دے دیا، اور ان سے نفرت کو علامت نفاق قرار دے دیا، ارشاد فرمایا: **الأنصار لا یحبھم الا مومن ولا یبغضھم الا منافق**، انصار سے مومن ہی محبت کرتا ہے، اوران سے نفرت صرف منافق ہی کرتا ہے، ایک خاص موقع پر آپؐ نے انصار سے فرمایا، کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ دوسرے مال وزر لے کر اپنے گھروں میں جائیں اور تم مجھے لے کر اپنے گھر جاؤ، انصار کو یہ مقام کیسے حاصل ہوا؟ نصرت دین پر، اس خانوادہ کی زندگیاں بھی نصرت دین کے لیے وقف تھیں، دوسری امتیاز صفت اس خاندان کی اتباع سنت ہے، ارشاد نبویؐ ہے: **لا یؤمن أحدکم حتی یکون ھواہ تبعاً لما جئت بہ**، تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی خواہشات میری لائی شریعت کے تابع نہ ہوجائیں، ارشاد خداوندی ہے: "**قل ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ ویغفر لکم ذنوبکم**"، اے نبی! آپ کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف کردے گا، ایک تیسری صفت اس خانوادہ کی احیاء سنت ہے، ارشاد نبوی ہے: **من أحیا سنتی فقد احبنی ومن احبنی کان معی فی الجنۃ**، جس نے میرے طریقہ کو زندہ کیا اس نے درحقیقت مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا، معیت رسول بدلہ ہے احیاء سنت کا، اس خانوادہ نے احیاء سنت کا کام بھی انجام دیا۔

اسی خاندان میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی شکل میں ایک عظیم مفسر قرآن، مفکر اسلام، محدث دوراں، تاریخ کا ماہر بھی نظر آتا ہے، جس کو اس کے معاصرین نے مفکر اسلام کا لقب دیا، جس نے زمانے کو صحیح اسلامی فکر سے روشناس کیا، اسلام کی صحیح تصویر پیش کی، وہ ایک طرف ماں کی رات کے سناٹوں میں مانگی گئی مقبول دعاؤں کا ثمرہ تھا، ان کے خواب "**فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین**" کی تعبیر تھا تو دوسری طرف حضرت مولانا عبد القادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کا تربیت یافتہ اور حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کا منظور نظر تھا، ان روحانی اور ایمانی بصیرت رکھنے والوں کی نظر میں یہ ہیرا سما گیا، انہوں نے اس کو باطنی نگاہوں سے پرکھ لیا تھا، حدیث نبوی ہے: **اتقوا فراسۃ المومن فانہ ینظر بنور اللّٰہ**، مومن کی فراست سے بچو وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے، مفکر اسلام نے ان کو مایوس نہیں کیا، اور ہر پہلو سے اسلام کی خدمت کا کام انجام دیا۔

حضرت مولانا سید واضح رشید ندوی رحمۃ اللہ علیہ (ابا) مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے حقیقی بھانجے تھے، آپ کی چہیتی بڑی بہن کے سب سے چھوٹے فرزند تھے، بہن نے اپنا لخت جگر اپنے بھائی کے سپرد کرکے زبان حال سے یہ کہا تھا: اس کو دین کا سپاہی بنانا، اس کو نبی کا شیدائی بنانا، اس کی تربیت میں کوتاہی نہ کرنا، ابا کے والد قوت گویائی اور سماعت سے پیدائشی محروم تھے، وہ اپنی شریک حیات کے اس فیصلے

پر بخوشی راضی تھے، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسنی علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ (اباجان) نے یہاں بھی اپنی بہن کو مایوس نہیں کیا، ایک طرف اگر اپنے اس بھانجے کو باپ جیسی محبت اور شفقت دی تو دوسری طرف ان کی تربیت میں ادنی تساہلی اور کوتاہی نہیں برتی، ابا جان کے بڑے بھائی اور ابا کے بڑے ماموں ڈاکٹر عبدالعلی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے اس محبوب بھانجے کو اپنی نگاہوں کے حصار میں ہمیشہ رکھا، اور اپنے اکلوتے اور چہیتے فرزند میں اور ابا میں ادنیٰ فرق نہیں کیا، جس کا اظہار ابا نے بارہا کیا ہے، جو انداز تربیت انہوں نے اپنے فرزند کے لیے اختیار کیا ابا کے لیے بھی اختیار کیا۔ ابا کی تعلیم کا آغاز گھر سے ہوا، جہاں آپ نے ابتدائی تعلیم حاصل کی، اسی سے آپ کا دینی ذہن بنا، شعور کو صحیح سمت ملی، ابتدائی تعلیم کے بعد آپ کا ایڈمشن رائے بریلی شہر میں واقع ایک مدرسہ مدرسہ الٰہیہ میں ہوا، وہاں تعلیمی مرحلہ مکمل کرنے کے بعد آپ نے اعلی تعلیم کی خاطر مرکز علم دارالعلوم ندوۃ العلماء کا قصد کیا، یہاں اپنے ماموؤں کی نگرانی میں علم کا سفر بڑی محنت و جانفشانی او رسنجیدگی کے ساتھ طے کیا، فضیلت کی تکمیل کے بعد ایک سالہ تدریبی کورس کیا، اسی مدت میں آپ کو آپ کی علمی صلاحیت کی وجہ سے ایک تعلیمی گھنٹہ بھی دیا گیا، پھر آپ نے مناسب سمجھا کہ علوم عصریہ میں بھی مہارت پیدا کی جائے کیوں کہ اس طبقہ کو اسلام کی روشن تعلیمات سے باخبر کرانے کے لیے عصری علوم سے آراستہ ہونا بہت ضروری ہے، اس کے لیے آپ نے علیگڑھ کا سفر کیا، اور علیگڑھ مسلم یونیورسٹی سے Engligh literature میں B.A کیا، اور بعض ناگزیر وجوہات کی بنیاد پر آل انڈیا ریڈیو میں ملازمت اختیار کرلی، لیکن وہاں کے ماحول میں آپ ایڈجسٹ نہ ہوسکے، آپ اس ماحول میں بالکل اجنبی تھے، مجبوری آپ کو اس ماحول میں روکے ہوئے تھی، وہاں کے قیام کے دوران آپ کا تعلق حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ سے قائم ہوا، جو بڑھتا گیا، تعلق اس انتہا پر پہنچ گیا تھا کہ آپ کو جب بھی موقع ملتا، جب بھی چھٹی ملتی آپ سہارنپور کا سفر کرتے، حضرت شیخ الحدیث کے در پر حاضری دیتے، ان کی روحانی مجالس میں نیازمندانہ شریک ہوتے، اور اپنے ایمان کو جلا بخشتے، اور اس کی تجدید کا کام کرتے، صحابہ کی سنت آپ کے سامنے تھی، جو مسلسل اپنے ایمان کی تجدید کرتے رہتے تھے، اور اس کے تئیں فکر مند رہتے تھے، بغیر کسی غرض کے آپ کی مسلسل حاضری، مجالس میں خاموشی کے ساتھ شرکت، اور پھر واپسی حضرت شیخ کی نگاہوں سے مخفی نہ رہ سکی، ان کی نگاہ بصیرت نے آپ کو پرکھ لیا، خاندانی شرافت اور خاندانی نسبتیں آپ کے چہرہ سے ہویدا تھیں، جس نے آپ کو حضرت شیخ کا منظور نظر بنادیا، حضرت شیخ الحدیث کی آپ پر غایت درجہ شفقت او رمحبت تھی، حضرت شیخ سے آپ کو اس درجہ محبت تھی کہ نام آجانے پر آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوجاتے تھے، غرض ایک طرف خاندانی ماحول، دینی تربیت اور حضرت شیخ الحدیث کی روحانی مجالس میں حاضری نے آپ کے اندر احساس پیدا کیا کہ اب یہ ملازمت چھوڑ دینا چاہیے اور دین کی خدمت کا کام کرنا چاہیے، کیوں کہ بقاء دین سے مشروط ہے، والدہ کی بھی خواہش یہی تھی کہ آپ اس ملازمت سے دستبردار ہوجائیں، آپ نے شیخ الحدیث سے مشورہ کیا، حضرت شیخ الحدیث کا بھی یہی مشورہ تھا، بس آپ نے فورا ملازمت کو ترک کردیا او رندوہ آگئے، پرکشش تنخواہ، پرتعیش زندگی آپ کے پاؤں کی زنجیر نہ بن سکی، کیوں کہ آپ نے اس ملازمت کو ضرورت کے پیش نظر اختیار کیا تھا، تعیش کے لیے نہیں، ندوہ میں آپ کا تقرر ہوگیا، اور طلباء کو عربی زبان سے مانوس کرنے کے لیے، ان کی صلاحیتوں کو جلا بخشنے کے لیے آپ کی استعداد کو دیکھتے ہوئے ایک اضافی گھنٹہ بعد نماز ظہر آپ کو دیا گیا، جس میں ہر درجہ کے ممتاز طلباء حاضر ہوتے، اور آپ سے علمی فائدہ اٹھاتے تھے، آپ نے اللہ کے دین کی خاطر اس ملازمت کو چھوڑا تھا، اللہ تعالی نے آپ کو دینی ودنیاوی ترقیات سے نوازا، خلق خدا کے دلوں میں آپ کی محبت پیدا کی، معتمد تعلیم کے اعزازی عہدہ کے لیے آپ پر سب کا اتفاق تھا، اور آپ کو بالآخر یہ عہدہ قبول ہی کرنا پڑا، آپ ہر وقت ندوہ کی ترقی کے لیے کوشاں رہتے تھے، اور اس کو مادر علمی کی طرف سے قرض سمجھتے تھے، آپ کے نزدیک امت مسلمہ کے انحطاط کی بنیادی وجہ مالک حقیقی سے اس کا رشتہ منقطع ہونا اور تعلیم میں پسماندگی تھا، آپ تعلیم پر بہت زور دیتے تھے، خاص کر ایک موضوع کو اختیار کرنے او

راس پر مہارت حاصل کرنے کی تاکید فرماتے تھے، ہم تین بھائی ہیں، سب سے بڑے خلیل بھیا، دوسرے نمبر پر امین بھیا، اور تیسرے نمبر پر ہم، خلیل بھیا کو حدیث شریف سے امین بھیا کو تفسیر سے اور ہم کو فقہ سے اختصاص کا مشورہ دیا، اور اس میں کمال پیدا کرنے کی تاکید کی، آپ بارہا ہم لوگوں سے فرماتے تھے، تین بھائی تھے، تینوں کا نام محمد تھا، ایک حدیث شریف میں ماہر تھے، دوسرے تفسیر میں اور تیسرے ادب میں، اخلاص اور اختصاص دونوں کی اہمیت کو اجاگر کرتے رہتے تھے، اور ہر وہ وسائل جو تعلیم کی راہ میں رکاوٹ بنے اس کے استعمال پر سخت نکیر فرماتے تھے، موبائل کی افادیت کے قائل تھے، لیکن اس کے نوجوان نسل پر پڑ رہے نقصانات سے آپ بے چین رہتے تھے، آپ موبائل کے استعمال سے **واثمهما أكبر من نفعهما** کے اصول کو دیکھتے ہوئے منع فرماتے تھے، آپ کا انداز تدریس اور انداز تربیت سب سے نرالا اور اچھوتا تھا، مجھ کو بارہا کسی موضوع پر لکھنے کا حکم دیا اور جب جب میں نے اپنا مضمون آپ کی خدمت میں پیش کیا آپ نے معمولی اصلاح کر کے مجھ کو شاباشی دے کر میری ہمت افزائی فرمائی، اور آپ جب بھی کوئی عنوان دیتے تو اس سے متعلق مواد بھی فراہم کرتے تھے، کتابوں کی طرف رہنمائی بھی فرماتے تھے، اس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ کے سامنے پورا کتب خانہ موجود ہے۔

آپ جب گھر تشریف لاتے اور ہم سب آپ کے اردگرد جمع ہوتے تو آپ اس وقت ہم لوگوں کو دین پر کاربند رہنے کی تلقین فرماتے، اور فرماتے، کبھی اپنے دل میں مال کی محبت پیدا ہونے نہ دینا، مال کی محبت جب پیدا ہوتی ہے تو دین کی محبت نکل جاتی ہے، اسی طرح آپ ہم لوگوں کو اپنے بچپن کے حالات بتاتے، اپنے والدین کے تذکرہ پر آپ مغموم ہو جاتے، اور ہم لوگوں کو ان کے لیے ایصال ثواب کی تاکید فرماتے تھے، ہم کو جو کچھ ملا ان کی دعاؤں سے ملا ہے، آپ کی ایک اور خوبی آپ کی سلیقہ مندی اور اپنا کام خود کرنا ہے، آپ جب بھی گھر تشریف لاتے، بے ترتیب چیز کو خود ترتیب سے رکھ دیتے تھے، کبھی کہتے نہیں تھے، ہم لوگ دیکھ کر لپکتے تھے، لیکن آپ وہ کام کر چکے ہوتے تھے، فرماتے تھے، ہمارے نبی بھی اپنا کام خود فرماتے تھے، اس کے علاوہ بے [illegible] بے خوبیوں [illegible] تھے ہمارے [illegible] تعالیٰ آپ کو غریق رحمت کرے

آسماں تیری لحد [illegible] افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

☆☆☆

## بقیہ..... عورت کا مقام اور تصور اقبال

لیکن نہ تو دنیا حاصل کر سکے اور نہ دین سنبھال سکے۔ یہی حال آج مسلم خواتین کا ہے، جو دنیوی تعلیم حاصل کرنے کے شوق میں دین بھی کھو رہی ہیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ جب اقبال بھوپال میں بغرض علاج اپنے دوست سر راس مسعود کے ہاں مقیم تھے تو دوران گفتگو لیڈی مسعود کے جواب میں فرمایا: بے شک قرآن کریم میں حصول علم پر بڑا زور دیا گیا ہے لیکن اس میں یہ کہاں لکھا ہے کہ لڑکے اور لڑکیاں ایک مکتب میں مل جل کر تعلیم حاصل کریں۔ اسی نقطہ نظر کی تائید اقبال نے ضرب کلیم میں بھی کی ہے۔ وہ اسی تعلیم کو سراسر موت قرار دیتے ہیں جس سے عورت نسوانیت کے جوہر کھو دے، وہ ایک مسلمان ماں کی خوبیوں سے محروم ہو جائے اور جس سے اس کا دینی کردار ختم ہو جائے۔

دراصل اقبال کے نزدیک امت مسلمہ کے لئے قابل تقلید نمونہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کرامؓ کا اسوہ ہے۔ چنانچہ اسی نسبت سے وہ خواتین کو تلقین کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پیروی اختیار کریں اور اپنی آغوش میں ایسے بچوں کی پرورش کریں جو بڑے ہو کر شبیر صفت ثابت ہوں۔ رموز بے خودی میں لکھتے ہیں:

مزرع تسلیم را حاصل بتولؓ
مادراں راہ اسوۂ کامل بتولؓ

اور ارمغان حجاز میں خواتین کو یوں نصیحت کرتے ہیں:

اگر پندے ز درویشے پذیری
ہزار امت بہ میرد تو نہ میری
کہ در آغوش شبیرے بگیری

یعنی ایک درویش کی نصیحت کو قبول کر لو تو ہزار قومیں ختم ہو جائیں لیکن تم ختم نہیں ہو سکتیں اور درویش کی نصیحت یہ ہے کہ بتولؓ بن کر زمانہ حاضر کی نگاہ بد سے اوجھل ہو جاؤ (یعنی پردہ اختیار کر لو) تاکہ تم اپنی آغوش میں ایک شبیر کو پال سکو۔

اس قول فیصل کے بعد اس موضوع پر مزید کچھ کہنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

سید محمد امین حسنی ندوی

# کچھ یادیں، کچھ باتیں ابا کی

وہ میرے دادا تھے اور ہم بھائی بہن اپنے دادا کو 'ابا' کہتے تھے۔ ابا کی شخصیت، ان کی فکر، ان کے اسلوب، ان کی صحافتی زندگی، ان کی ادبی خصوصیات، اور ان کے علمی مقام ومرتبہ پر لکھنے والوں نے بہت کچھ لکھا ہے اور آئندہ لکھتے رہیں گے، میں تو یہاں پر ان کی انفرادی زندگی کے پہلوؤں کو سامنے لانا چاہوں گا جو ہماری اخروی زندگی کو بہتر بنا سکتے ہیں۔

قرآن پاک کے بارے میں آتا ہے جب اہل ایمان کے سامنے اس کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کا ایمان مزید ترقی کرتا ہے اور ان کا اپنے رب پر بھروسہ بڑھتا ہے: "إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ" [الانفال:۲]، ابا کی قرآن کریم سے وابستگی اور اس سے خاص تعلق جس کا مشاہدہ ہم نے اس وقت کیا جب ہم حافظ ہوئے اور ہم نے پہلی تراویح مسجد دائرہ شاہ علم اللہ حسنی رحمہ اللہ میں سنائی، ہم نے قرآن پاک کا حفظ صفحات کے اعتبار سے کیا تھا اور صفحات کے اعتبار سے جب آدمی رکوع کرتا ہے تو کہیں کہیں بات ادھوری رہ جاتی ہے اور مفہوم واضح نہیں ہو پاتا، یہ چیز ابا سمجھتے تھے اس لیے تراویح کے معا بعد ہم کو متنبہ کرتے اور فرمایا کرتے تھے کہ کسی ایسے حافظ کو سناؤ جو عربی زبان سے بھی واقف ہو اور صحیح مخارج بلکہ تجوید سے بھی کچھ نہ کچھ واقفیت رکھتا ہو، جب تک ابا کی آنکھ کی بینائی رہی تب تک قرآن پاک کا معمول خود پڑھنے کا تھا اور کئی کئی پارے پڑھنے کا تھا، لیکن ادھر چند سالوں سے آنکھ کی بینائی چلی جانے کی وجہ سے قرآن پاک سننے کا معمول تھا، اور اس میں ایسی پابندی تھی کہ شاید ہی کبھی ناغہ ہوا ہو، سفر ہو حضر ہو جہاں بھی ہوں، حتی کہ اگر اس وقت گاڑی سے کہیں سفر کر رہے ہوں یا ٹرین کا سفر ہو تب بھی سنتے تھے، ادھر تین چار سالوں سے احقر کا تقریباً ہر سفر میں ساتھ رہا، وہاں پر بھی پابندی دیکھی، سنانے والا چاہے بھول جائے مگر ابا کبھی نہیں بھولتے تھے، اور ہم کو ایسا لگتا تھا کہ ابا پورے دن اس پر غور کرتے تھے کیوں کہ جہاں تک صبح سنتے شام کو اس کے آگے کا بتا دیتے کہ اس کے آگے سے سننا ہے، جب کہ وہ حافظ نہیں تھے، لیکن اتنی فکر کہ کہیں چھوٹ نہ جائے اور اگر کبھی کوئی سنانے والا نہ ملا تو دوسرے دن یا دوسرے وقت اس کو پورا کرتے، ہم سے کہتے تھے کہ صبح قرآن پڑھنے کا معمول بناؤ اور اس کو پڑھے بغیر کوئی کام نہ کرو، اور فرماتے تھے کہ جب سے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ سے تعلق قائم ہوا ہے تب سے آج تک کوئی کام بغیر قرآن مجید کی تلاوت کے نہیں کیا، اور یہ معمول تقریباً ۶۰ رسال پر محیط ہے، ہم کو ابا ہی نے تفسیر سے تخصص کرنے کا حکم دیا تھا اور فرمایا تھا کہ تم حافظ ہو اس سے تم کو فائدہ ہوگا، کئی بار ایسا ہوا کہ ہم نے ابا سے قرآن کریم میں کچھ ایسے الفاظ جو کئی معنوں میں استعمال ہوتے ہیں ان کے بارے میں پوچھا تو جہاں جہاں ان کا استعمال ہوا ہے اور کن کن معنوں میں استعمال ہوا ہے اس کے بارے میں بتاتے، کہیں اگر کوئی لفظ زائد ہے یا کم ہے تو اس کے بارے میں بتاتے اور کئی تفسیر کی کتابوں کے نام بتاتے کہ ان میں اس کی تشریح کس طرح کی گئی ہے۔

ابا کے متعلق سب یہی سمجھتے ہیں کہ ان کا اصل موضوع عربی ادب اور فکر اسلامی تھا

اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اس موضوع پر مرجع تھے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان کو قرآن وحدیث سے غیر معمولی شغف تھا اس کی طرف عام طور پر لوگوں کی نظر نہیں گئی، کیوں کہ ابا نے کبھی قرآن کے موضوع پر یا حدیث کے موضوع پر درس نہیں دیا اور وہ اس کو بڑی ذمہ داری کا کام سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ ابا عباسیہ ہال میں پڑھا رہے تھے اور دوسرے درجہ میں حضرت مولانا محمد برہان الدین سنبھلی کا ''کشاف'' کا درس تھا، حضرت مولانا اپنے طلباء کے ساتھ عباسیہ ہال آگئے اور ابا سے کہا کہ یہاں ہم کو پڑھانا ہے کیوں کہ دوسری جگہ ہم کو پریشانی ہوتی ہے، ابا نے پوچھا: آپ کون سی کتاب پڑھاتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ کشاف! ابا فوراً اپنی کرسی سے اٹھے اور فرمایا کہ ادب تفسیر کے برابر نہیں ہوسکتا، قرآن مجید کی عظمت نے ان کو اس جگہ سے اٹھا دیا اس طرح کے بے شمار واقعات ہیں، کتنی دفعہ ایسا ہوا کہ لفظ کے معنی نہیں بتائے کہیں غلطی نہ ہوجائے اگر کوئی پوچھ لیتا تو فرماتے کسی دوسرے سے پوچھو، کتنی دفعہ اچھے ابا (حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی) سے معنی پوچھے جب کہ خود ان کو معلوم ہیں لیکن ادباً بڑے سے پوچھتے۔

ابا نے قرآن مجید کو اتنا پڑھا تھا کہ اس کی ایک ایک چیز کو ازبر کرلیا تھا، رمضان المبارک میں قرآن پاک کی تلاوت سننے کا معمول بڑھ جاتا غیر رمضان میں جہاں دو پارے سننے کا معمول تھا وہیں رمضان میں پانچ چھ پارے روزانہ سننے کا معمول تھا، ایسا لگتا تھا کہ ابا کو قرآن مجید سے عشق ہے، ہم سے فرماتے کہ سورہ یٰسین روزانہ فجر میں پڑھنے کا معمول بناؤ اور کم از کم دو پارے پڑھے بغیر کوئی کام نہ کیا کرو، اس سے برکت ہوتی ہے، یہ ہمارے لیے خوش قسمتی ہے کہ ابا سے براہ راست استفادہ کا ہم کو موقع ملا، علیا ثانیہ شریعہ میں فکر اسلامی کا گھنٹہ تھا، عام طور پر محاضرہ کی ابتداء قرآن مجید کی تلاوت سے کرتے، کئی بار ایسا ہوا کہ آیات سن کر ان پر گریہ طاری ہوا، اور اس کا اثر محاضرہ میں صاف محسوس ہوا، قرآن مجید سننے کا معمول انتقال تک جاری رہا، کوئی دن بغیر پڑھے یا سنے نہ گذرا، انتقال بھی قرآن مجید کی آیات سنتے ہوئے ہوا۔

ابا کو مسجد سے خاص تعلق تھا یہ تعلق کم لوگوں میں دیکھنے کو ملتا ہے، ایسا لگتا ہے کہ وہ رجل قلبہ معلق بالمساجد کا مصداق تھے: کتنی بار ایسا ہوا کہ طبیعت کی خرابی کی وجہ سے لوگوں نے روکا کہ آپ گھر میں یا مہمان خانہ میں نماز پڑھ لیں تو فرماتے مسجد میں نماز میں دل لگتا ہے، ایک خاص کیفیت پیدا ہوتی ہے اور بغیر کسی سے بتائے مسجد چلے جاتے، اذان سے کافی دیر پہلے مسجد جاتے اور نماز ختم ہونے کے بعد کافی دیر تک مسجد میں رہتے، مسجد سے ان کو ایک خاص لگاؤ تھا، جو دوسروں کو نظر آجاتا تھا، ممبئی میں کئی بار دور کی مسجد میں نماز پڑھنے جاتے تاکہ ثواب زیادہ ملے، وہ بغیر کسی کی پرواہ کیے مسجد اکیلے چلے جاتے تھے، جب کہ ان کو دیکھنے میں پریشانی ہوتی، ان کو اندازہ اتنا ہوگیا تھا کہ کس راستہ سے جانا بہتر ہوگا، اور کون سا راستہ زیادہ آسان ہے، اور کئی بار راستہ میں ٹھوکر بھی لگی جس سے پاؤں زخمی بھی ہوئے، کوشش کرتے تھے کہ زیادہ سے زیادہ نمازیں مسجد میں ہوں، جب بھی تکیہ کلاں میں رہتے تھے مسجد میں نماز پڑھتے تھے، ندوۃ العلماء میں بھی شائد ہی کوئی نماز مسجد کے علاوہ کہیں پڑھی ہو۔

ابا کے اندر ایک چیز ایسی تھی جو ان کو سب سے ممتاز بناتی ہے وہ ہے دل کی صفائی یہ ایسی نعمت ہے جس کا کوئی بدل نہیں ہم نے شائد ہی کبھی دیکھا ہو کہ کسی کے تعلق سے منفی تبصرہ کیا ہو۔ دونوں بھائی جب تنہا کبھی گفتگو کرتے تو علمی باتیں کرتے اور اپنے اسلاف کا ذکر کرتے وہ مجلس نورانی مجلس ہوتی تھی، ابا کو اگر کوئی بات خلاف شرع نظر آتی تو کہتے تھے، ان کے پاس جس کو بھی بیٹھنے کا موقع ملا ہو اس کو یہ معلوم ہوگا کہ ابا کبھی بھی لایعنی باتیں نہ کرتے تھے اور نہ کرنے دیتے تھے، اگر کوئی ان کے پاس کسی کی برائی کرتا تھا تو صاف کہتے تھے: جاؤ دوسرا کام کرو، غیبت نہ کرو، وقت کو ضائع نہ کرو۔

مجلس کو سخت ناپسند کرتے تھے وہ مجلسی آدمی نہیں تھے اور نہ مجلس میں بیٹھتے تھے، بزرگوں سے خاص تعلق تھا حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ سے اپنا تعلق قائم رکھا اور دہلی کے زمانے میں مرکز نظام الدین پابندی سے ہر ہفتہ جاتے تھے، کتنی جماعتوں میں وہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ کے ساتھ گئے اور کئی کئی دن ان کے ساتھ قیام کیا، اس کے بعد حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلوی رحمہ اللہ کے ساتھ بھی کافی وقت گذارا، وہ کہتے تھے کہ ہم سب کو اپنی اصلاح کے لیے کسی نہ کسی کو اپنا بڑا بنانا پڑے گا۔

انہوں نے اپنے ماموں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمہ اللہ کے انتقال کے بعد اپنے بڑے بھائی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کو اپنا بڑا اور سرپرست مان لیا تھا اور صرف علمی یا دینی کاموں میں بڑا نہیں مانا بلکہ ذاتی معاملات میں روزمرہ کی زندگی میں بھی ان کو بڑا مانا اور کوئی کام ان کی اجازت کے بغیر کبھی نہیں کیا، وہ صاف کہتے تھے کہ امیر ایک ہوتا ہے اور میں نے اپنا امیر چھوٹے بھیا (حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی) کو بنالیا ہے، اگر ندوہ سے خاتون منزل جانا ہوتا تب بھی بتا کر جاتے۔

ایک اہم چیز جو ابا کی زندگی میں نظر آتی ہے وہ ہے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک، یہ چیز جو آج کی دنیا میں مفقود نظر آتی ہے لیکن ابا اس کا بڑا اہتمام کرتے تھے کبھی کبھی لوگوں کو ناگوار گذرتا تھا کہ کیا ضرورت ہے ان سے ملنے کے لیے جانے کی جب کہ عمر میں اور علم میں ابا ان سے بڑے ہوتے تھے لیکن پھر بھی ملنے کے لیے یا عیادت کرنے کے لیے انکے پاس جاتے، اس کا اہتمام ان کی زندگی میں بہت تھا۔

آخرت کی فکر کا احساس ان کے اندر بہت تھا، علیا ثانیہ شریعہ کے طلباء میں جو محاضرات ہوتے تھے قرآن مجید کی کسی سورہ سے ابتداء کرتے اور اور اسی سے اپنا محاضرہ شروع کرتے، ایک مرتبہ سورہ "الضحی" تلاوت کروائی اور جیسے ہی وہ طالب علم "وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ" [الضحیٰ:۴] پر پہنچا رقت طاری ہوگئی، منگلور کی تقریر جو ان کی شاہکار تقریر تھی اس میں انہوں نے دنیا کی حقیقت کو بیان کیا تھا اور ایسا پر جوش بیان تھا کہ کم ہی سنا ہو، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ عمر کے آخری دور میں یہ سمجھ رہے تھے کہ اب چل چلاؤ کا وقت ہے اور بار بار یہ دہراتے "غدا نلاقی الأحبة. محمداً وحزبه" اور یہ کہتے کہتے رو پڑتے اور کہتے کہ ان لوگوں کی کیا زندگیاں تھیں جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا، آپ کی صحبت میں اپنے شب و روز گذارے، اپنی وفات سے ایک دن قبل قرآن مجید کی آیات سن رہے تھے آخرت کا تذکرہ آگیا بس بے اختیار زبان سے نکلا: **اللھم احفظنا من سکرات الموت** بار بار یہ دعا کی اور اپنے پوتے سے فرمایا: دعا کرنا کہ اللہ تعالیٰ موت کی سختی سے محفوظ رکھے، اور اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا سن لی، موت کی سختی سے ان کو بچالیا اور بغیر کسی تکلیف کے وہ دنیا سے رخصت ہوگئے۔

ابا کی زندگی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے قریب تر تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح اپنا کام خود کرتے تھے اسی طرح ابا نے بھی اپنی زندگی کا معمول بنالیا تھا کہ کسی سے کام نہیں لینا حتی کہ اپنے پوتوں سے بھی کام لینا پسند نہ کرتے تھے کبھی بھی کوئی کام خود سے کہا ہو حتی کہ جب گھر آتے تو اپنا سامان خود ترتیب سے رکھتے اگر کسی اور کا ہوتا تب بھی خود ہی سے مرتب کرنے لگتے اگر کوئی دیکھ لیتا اور آجاتا تو اس کو دے دیتے، ندوۃ العلماء کے مہمان خانہ میں بھی کسی طالب علم سے کبھی کوئی کام نہیں لیا اور جن لوگوں سے قرآن مجید سنتے تھے ان کا اعزاز کرتے تھے اور ان کا بہت خیال کرتے تھے بلکہ کچھ ہدیہ بھی دیتے تھے وہ کسی کا احسان نہیں لینا چاہتے تھے، جب معتمد تعلیم کے دفتر سے مہمان خانہ جاتے تو اپنا بیگ خود ہی لیتے، کسی طالب علم کو لینے نہ دیتے، کتنی بار ایسا ہوا کہ خاتون منزل جانا ہوتا تو کسی کی بائیک سے جاتے، خود راقم کتنی بار گھر لے

گیا ہے، کبھی اگر کوئی کہہ دیتا کہ ندوہ کی گاڑی استعمال کرلیں تو صاف منع فرماتے۔

اساتذہ سے ہمیشہ ربط وتعلق رکھا ہر کسی کی باتوں کو سنتے تھے، اور پھر انتظامیہ کے سامنے اس کو پیش کرتے تھے، ہم نے خود دیکھا ہے کہ رمضان المبارک میں کتنے طالب علم جو ثانوی درجات کے ہوتے تھے اگر ابا کو کچھ لکھ کر دکھاتے تو اس کو دیکھتے اور اس کی اصلاح فرماتے تھے آج کتنے لوگوں کو انہوں نے قلم پکڑنا سکھایا۔ ابا کے اندر ہمت افزائی کرنے کا ایک جذبہ تھا وہ ہر طالب علم کو ایک نظر سے دیکھتے تھے۔

ابا کی زندگی عملی تھی انکی زندگی سلف کی آئینہ دار تھی، ابا نے کبھی کسی کے ساتھ برا سلوک نہیں کیا، وہ ہر کسی کے ساتھ بہتر سے بہتر سلوک کرتے تھے، وہ اس آیت کے مصداق تھے: "وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ" [الحشر:۹]، اپنا نقصان ہی کیوں نہ ہوجائے دوسروں کے ساتھ اچھا ہو، جو ان کے ساتھ کسی طرح اچھا سلوک کردیتا اس کا احسان زندگی بھر مانتے اور چاہتے کہ اس کے احسان کا بدلہ اس سے اچھا دیا جائے، وہ ہر کسی کی تکلیف کا سن کر پریشان ہوجاتے۔

انہوں نے اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے اپنی زندگی کو مٹا دیا تھا، اور اس کے لئے اپنے قلم کو وقف کردیا تھا۔ مغربی افکار کا طوفان جس تیزی سے مسلم معاشرہ میں آرہا ہے اس پر ان کی نظر تھی، وہ سمجھ رہے تھے کہ اسلام کی سربلندی کے لیے دشمنوں کی چالوں کو خوب سمجھنا ہوگا، مقابلہ کرنے کے لیے مقابل کی چیزوں سے واقفیت بہت ضروری ہے، وہ ایک ایسی نوجوان نسل کی تربیت کررہے تھے جس سے ان کو امید تھی کہ اسلام کے لیے یہ نسل اپنے قلم وزبان کا استعمال کرے گی لیکن اس کے ساتھ جب کہ انہوں نے مغرب کو بہت قریب سے دیکھا بلکہ ایک بڑا وقت اسی ماحول میں گذارا ان کا دل ایمانی ونورانی تھا جس میں اللہ سے سچا تعلق اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت تھی اور یہ محبت برابر بڑھتی رہی۔

انسان جب چلا جاتا ہے تو اس کی چیزوں کو یاد کیا جاتا ہے تاکہ آنے والی نسل کو اپنے اسلاف کی باتیں یاد رہیں اور وہ ان کی چیزوں کو اختیار کریں ابا کی ہم نے ان چیزوں کو خاص کر تحریر کیا ہے جو ہم نے خود دیکھیں ہیں اور یہ روزمرہ کی چیزیں ہیں، ابا کی زندگی سے پیغام ملتا ہے کہ انسان اگر اپنے دل کو گناہوں کی آلودگیوں سے پاک وصاف رکھے تو ان شاء اللہ دنیا میں سرخروئی ملتی ہے اور آخرت میں بھی کامیابی اس کا مقدر ہوگی، ان شاء اللہ۔ ○○


## मजलिस तहक़ीक़ात व नशरियाते इस्लाम की हिन्दी पुस्तकें

| किताब का नाम | लेखक | मूल्य |
|---|---|---|
| मन्सबे पैगम्बरी | मो0 सै0 अबुल हसन अली हसनी नदवी | 100.00 |
| नबियों के किस्से 1,2 | " | 120.00 |
| नबी–ए–रहमत | " | 250.00 |
| दस्तूरे हयात (जीवन का पथ–प्रदर्शक) | " | 70.00 |
| सभ्यता और संस्कृति पर इस्लाम की | " | 70.00 |
| भारतीय मुसलमान एक दृष्टि में | " | 80.00 |
| मदीने की डगर | " | 70.00 |
| मानवता का संदेश | " | 50.00 |
| मानवता का स्तर | " | 50.00 |
| अच्छे–अच्छे नाम अल्लाह के | " | 25.00 |
| इस्लाम एक परिचय | " | 40.00 |
| इस्लाम क्या है? | मौलाना मनज़ूर नोमानी | [illegible]00 |
| आदर्श शासक | मौलाना अब्दुस्सलाम क़िदवाई नदवी | 35.00 |
| तूफान से साहिल तक | मो0 असद | 50.00 |
| मुहम्मद सल्लल्लाहु अलैहि वसल्लम | मौलाना सैय्यद मो0 राबे हसनी नदवी | 250.00 |
| तोहफ–ए–रमजान | " | 40.00 |
| हमारे हुज़ूर | अमतुल्लाह तसनीम | 20.00 |
| इस्लाम और इस्लामी | मौलाना इलियास नदवी भटकली | 35.00 |
| सीरत सुलतान टीपू शहीद | " | 220.00 |
| | Total | 1635.00 |
| | Rate After Disc & Including Postal Charges | 1000.00 |

Ph.: 0522-2741539, A/c : 10863759700, SBI Main Br. Lucknow, IFSC : SBIN0000125

سید سعید احمد حسنی ندوی

# آہ! چھوٹے ابا
## چھ خوشگوار یادیں، کچھ نصیحتیں

میں نے اپنے دادا حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی صاحب کو تو نہیں دیکھا لیکن ان کے دونوں بھائیوں مولانا واضح رشید ندویؒ اور حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی (صدر مسلم پرسنل لا بورڈ) کی شفقتیں حاصل کیں۔ یہی ہمارے لیے خوشگوار یادیں ہیں۔ بچپن سے آج تک پچیس سال کے عرصہ میں ان یادوں کا ایسا نورانی سلسلہ ہے جسے کبھی بھلایا نہیں جاسکتا۔ ان کی طرف سے ہمت افزائی اور دینی وعلمی کاموں میں شوق دلانے والا جو جذبہ ملا، وہ ہمارے لیے بہترین سوغات ہے۔ ہمارے لیے یہ مواقع بڑی مسرت اور سعادت کے تھے۔ وہ قرآن مجید سننے کے لیے لوگوں کو تلاش کرتے تو خاص طور پر مجھے بلاتے اور تعریف کرتے اور بہت شوق سے سنتے اور ہمت افزائی بھی کرتے اور چاہتے تھے کہ میں بہت اچھا لکھنے والا بھی بن جاؤں۔ اس کے لیے ہمیں کتابوں کے مطالعہ کا شوق دلاتے اور لکھنے پڑھنے کے لیے رہنمائی بھی کرتے تھے۔ خاص طور پر حدیث کی کتابوں کا مطالعہ کرنے پر زور دیتے کیوں کہ میں حدیث کا طالب علم ہوں۔ حدیث سے فضیلت کر رہا ہوں اس لیے وہ اس بات پر زور دیتے کہ جو بھی علم حاصل کرو اس پر پورا عبور ہو، اسی فن میں مہارت پیدا کرو۔ یہ ضروری نہیں کہ تمام علوم پر عبور حاصل ہو۔ اگر ایک علم پر بھی عبور حاصل ہو اور اس میں مہارت ہو تو علم کے راستے کھلتے چلے جاتے ہیں اور نئے نئے علوم سے آدمی روشناس ہوتا ہے اور اس کے علم میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اور علم حدیث تو تمام علوم کا جامع ہے اسلام کی مکمل تشریح ہے۔ لہٰذا تم حدیث پر مکمل محنت کرو۔ ان شاء اللہ حدیث کی برکت سے تمہارے علم میں اضافہ بھی ہوگا اور ثواب بھی حاصل ہوگا اس لیے وہ ہر ہر موقع پر میری رہنمائی کرتے، اس لیے کہ میں ان سے بہت مانوس تھا اور ان سے ہر بات کر لیتا تھا لیکن تہذیب کے دائرے میں رہ کر، کیوں کہ وہ صرف میرے دادا اور نانا ہی نہیں تھے بلکہ ایک ایسی بزرگ شخصیت بھی تھے جن کی بے ادبی میری عاقبت خراب کرسکتی تھی۔

چھوٹے ابا کی شفقتیں اتنی زیادہ تھیں کہ گھر میں سب ان سے محبت کرتے تھے۔ جب وہ گھر آتے تو ہم سب بھائی بہن جمع ہو جاتے اور اپنے خاندان کے پرانے واقعات سنتے اور لطف اندوز ہوتے لیکن ان واقعات میں صرف لطف اندوزی ہی نہ ہوتی بلکہ ان واقعات کے پس منظر میں نصیحتیں ہوتیں تھیں، جن کی تلقین کرتے، خاص طور پر علم کے حصول کی تلقین ہوتی، سنت کا پابند رہنے اور اسی کے مطابق زندگی گزارنے کی تلقین ہوتی، فرائض کی پابندی کی تلقین کرتے، باجماعت نماز ادا کرنے کی تلقین کرتے، اور ان کی تلقین کا انداز اتنا مثبت اور محبت کا ہوتا کہ میں ان کی نصیحتوں کو بغور سنتا اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتا۔ میں ان سے بہت حد تک مانوس تھا، ان کے پاس مجھے سکون ملتا تھا، وہ بھی جب میں کوئی بات کرتا تو اس پر پوری توجہ دیتے اور اس کا مکمل اور اطمینان بخش جواب دیتے، نہ ڈانٹتے نہ غصہ ہوتے، بلکہ خوش ہوتے۔

وہ علمی گفتگو کے ساتھ ہمیں حالات حاضرہ اور تاریخ سے بھی روشناس کراتے، وہ چاہتے تھے گھر میں جہالت کا گزر تک نہ رہے بلکہ صرف علم ہی علم ہو، علم کی باتیں ہوں، کتاب وسنت کے مطابق سب کی زندگی ہو، علم عمل کے ساتھ ہو اور اس کی تبلیغ بھی ہو۔

چھوٹے ابا کہتے تھے کہ انسان اور جانور میں یہی فرق ہے کہ جانوروں کا کوئی نظامِ زندگی نہیں ہے لیکن انسانوں کا نظامِ زندگی ہے اور اگر وہ نظامِ زندگی قرآن و حدیث کی روشنی میں ہو تو انسان اللہ کا قرب حاصل کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا مقرب بندہ بن جاتا ہے۔ چھوٹے ابا جب بھی گھر تشریف لاتے، اور ہم سب ان کے پاس بیٹھتے تو وہ ہم سب کو انبیاء و رسل کے قرآنی قصے سناتے، اور ان قصوں کو پڑھنے کی تلقین بھی کرتے جو کہ امۃ اللہ تسنیم صاحبہؒ کی کتاب قصص الأنبیاء میں مذکور ہیں، وہ ہمیں صحابۂ کرام کی عظمت اور ان کی ایمانی قوت کے بارے میں بھی بتاتے اور ان کو نمونہ بنانے کی تلقین کرتے۔ اس کے علاوہ وہ ہمیں بزرگوں کے حالات و واقعات بھی سناتے، جن میں سے حضرت سید احمد شہید حسنی اور حضرت رائے پوریؒ کے حالات و واقعات خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

چھوٹے ابا رحمہ اللہ جب بھی گھر آتے اور کوئی چیز بے ترتیب دیکھتے تو خود ترتیب دیتے، کسی سے کوئی کام نہ لیتے بلکہ اپنا کام خود کرنے کی کوشش کرتے، ان کا یہ عمل مثبت طریقۂ تربیت کا نمونہ ہوتا۔ جب مجھے گھر میں ڈانٹ پڑتی تو چھوٹے ابا کہتے ڈانٹو نہیں! یہ تو بہت لائق لڑکا ہے۔ وہ خود کبھی ڈانٹتے نہیں تھے بلکہ محبت سے سمجھاتے تھے۔ اسی لیے سب ان کی ہر بات کو مانتے اور ان کے قریب رہتے۔ جب مجھ سے قرآن مجید سنتے تو میری والدہ سے تعریف کرتے، میں بھی بہت خوش ہوتا اور زیادہ کوشش کرتا کہ اس طرح قرآن کریم سناؤں کہ چھوٹے ابا خوش ہو جائیں۔ ایک مرتبہ میں قرآن کریم سنا رہا تھا اور اچھے انداز میں سنانے کی کوشش میں آواز کچھ بلند ہو گئی تو انہوں نے کہا کہ آواز کم کرو! کیونکہ وہاں مسجد میں اور لوگ بھی قرآن شریف کی تلاوت کر رہے تھے، لیکن گھر میں جب قرآن کریم سنتے تو بلند آواز پر کبھی نہ ٹوکتے بلکہ خوش ہوتے، میں جب ان کی خوشی دیکھتا تو مجھے بھی خوشی ہوتی۔ مجھے ایسا لگتا تھا جیسے میرا یہ پڑھنا اور سنانا میرے لئے علم کے دروازے کھول دے گا۔ بعض مرتبہ تو میں نے ان کی آنکھوں میں آنسو دیکھے بلکہ اکثر موقعوں پر جب کسی قوم پر عذاب والی آیت آتی تو اس وقت رقت طاری ہو جاتی اور آنسو جاری ہو جاتے کیوں کہ ان کو عربی زبان پر مکمل عبور تھا اور وہ قرآن کریم کے معانی و مطالب سمجھ کر قرآن کریم سنتے اور جب کوئی بشارت و انعام و اکرام، فضل و رحمت والی آیت سنتے تو فرحت محسوس کرتے اور ان آیات کا ترجمہ بھی سناتے پھر قرآن کریم سننے کے بعد انعام بھی دیتے، لیکن مجھے انعام سے زیادہ ان کی خوشی دیکھ کر خوشی حاصل ہوتی۔ صرف میں ہی نہیں گھر کے سارے بچے ان سے قریب تھے۔ جب میں ان سے علمی سوالات کرتا تھا تو وہ بہت اچھے انداز میں سمجھاتے تھے۔ کتنی مرتبہ انشا نگاری میں بھی ان سے استفادہ کیا، وہ لفظوں کی ترتیب درست کراتے، اردو کو عربی میں کیسے منتقل کرنا ہے اور عربی کو اردو میں کیسے کرنا ہے اور عربی اور اردو میں کیا فرق ہے' اس کی باریکیاں بتاتے اور بالکل مطمئن کر دیتے۔

اس کے علاوہ وہ پورے خاندان میں مقبول تھے یہاں تک کہ رشتہ دار، وہ چاہے قریب کے ہوں یا دور کے ہر جگہ مقبول تھے۔ جب کبھی کسی رشتہ دار سے ملنے جاتے تو گھر والے نہایت خوشی محسوس کرتے اور ان سے اپنے تعلق کا اظہار کرتے، خاص طور پر طلبہ میں نہایت مقبول تھے، اس کی وجہ ان کا علم تھا، ایسا علم جو بہت کم دیکھنے کو ملا۔ اسی لیے ان سے جس نے بھی علم حاصل کیا وہ ان کا گرویدہ ہو کر رہ گیا اور آج تک ان سے محبت کرتا ہے۔ جہاں تک گھر والوں کی بات ہے تو ان کو ایسا صدمہ ان کی وفات کی وجہ سے ہوا جس کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ ان کی وفات کا دن خاندان کے لیے غموں سے بھرا ہوا تھا، ایسا غم جس کو بھلانا ممکن نہیں ہے۔

مجھے تو ابھی بھی یقین نہیں ہوتا کہ چھوٹے ابا اب ہمارے درمیان نہیں رہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ میں کیسے یہ مضمون لکھ رہا ہوں۔ میری یہ تحریر جیسی بھی ہے انھی کی تعلیم کا نتیجہ ہے، کبھی حاشیۂ خیال میں بھی نہیں تھا کہ انھی کا سدھایا ہوا اشہبِ قلم انھی کی مرثیہ خوانی کرے گا، یہ زورِ خامہ فرسائی جو ان کی دین تھا' انھی کی وفات کی کہانی رقم کرنے میں کام

آئے گا، اور ہذہ بضاعتکم ردت الیکم کا فریضہ اس شکل میں ادا ہوگا، و لکن اللّٰہ یفعل مایشاء۔

ان کا ہم پر حق ہے کہ ہم ان کی باتوں پر عمل کریں اور ان کے لئے صدقہ جاریہ بنیں۔ یا اللہ! ان کے درجات بلند فرما اور ان کو شہدا و صدیقین صالحین میں درجہ عطا فرما۔ اللہم آمین.

اس دنیا سے رخصت ہونا وہ بھی اس حال میں کہ ان کی آخری کتاب صحابۂ کرام کے تعلق سے منظر عام پر آئی اور اس حال میں رخصت ہونا کہ تہجد کا وقت ختم ہو رہا تھا۔ اذان بلند ہو رہی تھی اللہ اللہ ان کی زبان پر تھا۔ چہرہ پر نور و سکون تھا، فضاء میں أشهد أن لا اله الا اللّٰه، و أشهد أن محمداً رسول اللّٰه، حی علی الصلوٰة، حی علی الفلاح کی گونج تھی، کانوں میں تلاوت قرآن کریم کی آواز پڑ رہی تھی جوان کے صاحبزادہ عم مکرم مولانا جعفر مسعود حسنی ندوی کر رہے تھے، کہ فرشتہ مالکِ حقیقی کا حکم لے کر آپہنچا اور ان کو لے کر مالکِ حقیقی اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم سے روانہ ہوگیا، انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے اور اللہ تبارک و تعالیٰ ہمارے گھر والوں کو، ہمارے خاندان والوں اور تمام اہلِ تعلق کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ اللّٰھم آمین یارب العالمین.

☆☆☆

# وہ رحمت میں اللہ کی سو گیا ہے

نتیجہ فکر: سید ابوالحسن علی بلال حسنی

جو لعل بدخشاں تھا وہ کھو گیا ہے
وہ رحمت میں اللہ کی سو گیا ہے

کہ وہ علم و حکمت کی تلوار سا تھا
قلم سے جو باطل کو للکارتا تھا
تھی پرواز جس کی بلندی کی حد پر
بلندی وہ حالاں کہ نہ چاہتا تھا
مگر اب وہ اتنا بلند ہوگیا ہے
وہ رحمت میں اللہ کی سو گیا ہے

ہے اس کے قلم نے وہ تاثیر پائی
کسی اور قلم میں نظر وہ نہ آئی
مہارت نہ تھی ایک ہی فن پر اس کو
کئی اور فنوں تک ایسے تھی رسائی
وہ مینار علم و ہنر کھو گیا ہے
وہ رحمت میں اللہ کی سو گیا ہے

کہ تھی زندگی جس نے سادہ گزاری
کہ جس نے دکھائی تھی بس خاکساری
رہے گی ہمیں یاد ہر بات اس کی
وہ شفقت محبت وہ خدمات ساری
جو انسانیت کے لیے رو گیا ہے
وہ رحمت میں اللہ کی سو گیا ہے

وہ علم اور فن کا چمکتا ستارہ
ہے جس نے جہاں کو قلم سے پکارا
مدارس کو اپنے ہنر سے سنوارا
گیا چھوڑ کے ہم کو قائد ہمارا
مگر بیچ علم اور فن بو گیا ہے
وہ رحمت میں اللہ کی سو گیا ہے

رہے گا ہمیں یاد وہ ماہ پارہ
جو تھا دین اسلام کا اک ستارہ
اے اللہ توفیق دے ہم کو یارب
اسی کی طرح گزرے ہر پل ہمارا
بہت سے دلوں کو جو دل دھو گیا ہے
وہ رحمت میں اللہ کی سو گیا ہے

☆☆☆

مفتی راشد حسین ندوی

# سوال وجواب

س: ایک شخص نے رمضان کے اخیر عشرہ کا اعتکاف کیا، لیکن کچھ دنوں بعد اس کا بچہ سخت بیمار ہوگیا، دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہیں تھا، اس لئے اسے اعتکاف توڑنا پڑا اور اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اس کو اعتکاف کی قضاء کرنی پڑے گی، اگر ہاں تو کتنے دنوں کی؟

ج: اس پر روزہ کے ساتھ ایک دن کے اعتکاف کی قضاء کرنا لازم ہے۔ بہتر اور مستحسن تو یہ ہے کہ پورے دس دن کے اعتکاف کی قضاء روزہ کے ساتھ کرے۔ (شامی-۲/۱۴۳)

س: آج کل رمضان شریف کا مہینہ سخت گرمی میں چل رہا ہے، اس طرح کے موسم میں معتکف غسل کے لئے مسجد سے باہر نکل سکتا ہے یا نہیں؟

ج: احتلام وغیرہ کی وجہ سے واجب ہوجانے والے غسل کے لئے نکل سکتا ہے، غسل جمعہ کے لئے بھی نکلنے کی گنجائش ہے، لیکن صرف ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے قصداً نکلنا جائز نہیں ہے، البتہ جب استنجا کے لئے نکلے تو پوری تیاری کے ساتھ جائے اور جلدی جلدی دو چار لوٹے ڈال کر ٹھنڈک حاصل کرلے، یا مسجد ہی کے کسی کنارے پر غسل کرے، اور بعد میں ماء مستعمل پر پانی بہادے، یا کسی ٹب میں نہائے اور مستعمل پانی باہر ڈال دیا جائے۔

(شامی-۲/۱۴۳، احسن الفتاویٰ-۴/۲۰۷-۵۱۲)

س: کسی حاجت مند کو صدقہ فطر عید سے پہلے رمضان المبارک میں یا رمضان المبارک سے بھی پہلے دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

ج: رمضان المبارک میں بالکل اطمینان سے صدقہ فطر نکالا جاسکتا ہے، البتہ رمضان سے پہلے نکالنے میں کچھ اختلاف ہے، صحیح قول یہی ہے کہ رمضان سے پہلے بھی نکالا جاسکتا ہے، چونکہ مسئلہ میں اختلاف ہے، لہٰذا بہتر یہی ہے کہ سخت ضرورت کے بغیر رمضان سے پہلے نہ نکالے، پھر بھی اگر نکالے گا تو ادائیگی شرعاً معتبر ہوگی۔

(شامی-۲/۸۵، احسن الفتاویٰ-۴/۲۸۴)

س: صدقہ فطر کس شخص پر واجب ہے؟

ج: سونے چاندی، مال تجارت، اور گھر میں روزمرہ استعمال کی چیزوں سے زائد سامان کی قیمت لگا کر اس میں نقدی جمع کی جائے، ان پانچوں کا مجموعہ یا ان میں سے بعض ۴۷۹ء۸۷ یا ۶۱۲ء۳۵ گرام چاندی کے برابر ہوجائے تو صدقہ فطر واجب ہوجائے گا، اتنی مالیت کی ملکیت صرف عید کے دن صبح صادق کے وقت ہونا شرط ہے، سال گزرنا شرط نہیں ہے۔ خیال رہے کہ روز استعمال کی چیزیں حاجت اصلیہ میں داخل قرار دی جاتی ہیں لہٰذا ان کی مالیت نہیں لگائی جاتی، لیکن ضرورت سے زائد کپڑے اور ٹیلی ویژن جیسی خرافات حاجت اصلیہ میں داخل نہیں ہیں، لہٰذا ان کی مالیت لگائی جائے گی۔ (شامی-۲/۷۸، ۸۵، احسن الفتاویٰ-۴/۳۸۳)

س: رمضان المبارک کے بعد جو چھ روزے شوال میں رکھے جاتے ہیں ان کا ثبوت ہے یا نہیں؟ ان کو مسلسل رکھنا چاہئے یا چھوڑ چھوڑ کر؟

ج: ماہ شوال کے چھ روزوں کی بڑی فضیلت آئی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو رمضان کے روزے رکھے، پھر اس کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے تو اس کا ثواب سال بھر روزہ رکھنے کا ہوگا۔ (مسلم) ان روزوں کو مسلسل بھی رکھا جاسکتا ہے، اور چھوڑ چھوڑ کر بھی رکھا جاسکتا ہے۔ یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ عید کے دوسرے دن روزہ رکھے تبھی یہ فضیلت حاصل ہوسکتی ہے۔ شوال بھر میں کبھی بھی روزہ رکھ کر یہ فضیلت حاصل کی جاسکتی ہے۔ (شامی-۲/۱۳۶، رحیمیہ-۲/۱۶)

س: عیدین کی نماز کا مستحب وقت کیا ہے؟

ج: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول مبارک تھا کہ جب سورج ایک دو نیزہ بلند ہوجاتا تھا تو آپ عید کی نماز ادا فرماتے تھے، نیز یہ بھی ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عیدالاضحیٰ کی نماز میں جلدی کرنے اور عیدالفطر کی نماز میں قدرے تاخیر کرنے کا حکم دیا تھا، اور اس کی وجہ یہ تھی کہ عیدالاضحیٰ میں لوگ جلدی نماز سے فارغ ہوکر قربانی وغیرہ انجام دیں گے۔ اور عیدالفطر میں قدرے تاخیر اس لئے کی گئی تھی تاکہ صدقہ فطر ادا کرنے کے لئے کچھ وقت مل جائے، لہٰذا مستحب یہ ہے کہ سورج طلوع ہونے کے بعد جلد از جلد جب بھی لوگ جمع ہوسکتے ہوں عیدالفطر ادا کی جائے، اور عیدالاضحیٰ اس سے کچھ پہلے ادا کی جائے۔

(البحر الرائق-۲/۱۶۰)

آخری صفحہ

مولانا محمد قمر الزماں ندوی
استاد مدرسہ نورالاسلام کنڈہ پرتاپگڑھ

# مگر ہم نے اپنی زندگی کا مقصد پورا نہیں کیا

مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں ندوی رح نے اپنے زمانہ کے جن اکابر اہل علم سے استفادہ کیا اور ان کے پاس جا کر خوشہ چینی کی نیز ان کی زندگی سے گہرا تاثر لیا اور جن کے زہد و استغنا اور تقوی و طہارت سے بے حد متاثر ہوئے ان میں ایک اہم نام اور شخصیت حضرت مولانا احمد علی لاہوری رح کی تھی جو اپنے علم و فضل تقوی و طہارت اور زہد و ریاضت میں اپنے معاصرین میں ممتاز اور نمایاں تھے۔ مولانا لاہوریؒ ایک طرف علوم قرآنی کے ماہر اور رمز شناس تھے تو دوسری طرف زہد و استغنا میں اپنی مثال آپ تھے۔ حضرت مولانا علی میاں ندوی رح آپ کی دنیا سے زہد و بے نیازی اور استغنا کے بارے میں پرانے چراغ جلد اول میں لکھتے ہیں۔ مجھے ایک مرتبہ اچانک اس کا اندازہ اور علم ہوا کہ عام طور پر کیسی گزارن اور کیا معیار زندگی ہے، رمضان مبارک میں غریب مسلمان کے یہاں بھی کچھ نہ کچھ اہتمام اور تکلف ہوتا ہے، لیکن مولانا کے یہاں میں نے اتنا بھی اہتمام نہیں پایا، واقعہ یہ پیش آیا کہ ایک رمضان المبارک میں مولانا کی خدمت میں مقیم تھا، مولانا نے ایک روز فرمایا کہ آج کھانا میرے ساتھ کھائیے گا، افطار ہم لوگوں نے پنجاب کے رواج کے مطابق مسجد میں پانی اور چھوہارے سے کیا۔ نماز مغرب کے بعد مولانا نوافل میں مشغول ہو گئے، فارغ ہوئے تو میری طرف دیکھ کر فرمایا کہ مولوی صاحب! میں گھر میں اطلاع دینا بھول گیا کہ آج آپ ساتھ کھانا کھائیں گے۔ یہ کہہ کر مجھے اپنے ساتھ چلنے کا اشارہ فرمایا، کھانا آیا، صرف روٹی اور دال کا پیالہ غالبا ماش کی دال تھی اسی وقت دہی کا میری خاطر اضافہ کیا گیا، مولانا نے کھاتے ہوئے فرمایا کہ مولوی ابوالحسن صاحب! ہم سے تو یہ دال بھلی ہے کہ یہ جس مقصد کے لئے پیدا کی گئی تھی اس کو اس نے پورا کیا، مگر ہم نے اپنی زندگی کا مقصد پورا نہیں کیا اس کے بعد بغیر کسی معذرت کے کھانے میں شریک ہو گئے اور ایسا معلوم ہوا کہ آج کوئی غیر معمولی بات نہ تھی۔ (پرانے چراغ جلد ۱/صفحہ ۱۵۶)

یہاں اس بات کا تذکرہ بھی مناسب ہوگا کہ مولانا لاہوریؒ کے گھر کے پڑوس میں ان کا قائم کردہ مدرسہ تھا جس کے وہ ذمہ دار اور سرپرست تھے اس مدرسہ میں طلبہ کیلئے بہترین اور عمدہ قسم کا کھانا ہر ٹائم تیار ہوتا تھا اور طلبہ جی بھر کر شوق اور مزے سے کھاتے تھے اور مولانا لاہوری رح کے گھر میں بالکل ہی عام سا اور سادہ و معمولی کھانا بنتا تھا لیکن کبھی بھی آپ نے مدرسہ کے کھانے کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھا اور نہ ہی اپنی اولاد اور کسی عزیز کو وہاں سے کسی قسم کا فائدہ اٹھانے دیا۔ شکر و امتنان، صبر و توکل اور زہد و استغنا کی ایسی مثالیں اور ایسے واقعات ہمارے اکابر کے یہاں بے شمار ملتی ہیں جو ہمارے لئے بہترین نمونہ و اسوہ ہیں اور اس میں موعظت و نصیحت کے انگنت پہلو ہیں، خاص طور پر ان لوگوں کے لیے جو زہد و استغنا اور صبر و توکل کو اپنا وظیفہ اور دستور بنانا چاہتے ہیں۔ خاص طور پر اس موقع پر مولانا لاہوریؒ کا یہ جملہ کہ مولوی ابوالحسن صاحب! ہم سے تو یہ دال بھلی ہے کہ یہ جس مقصد کے لئے پیدا کی گئی تھی اس کو اس نے پورا کیا، مگر ہم نے اپنی زندگی کا مقصد پورا نہیں کیا تو ہماری آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے کہ عسرت و تنگ دستی کے موقع پر ہم کیسے صبر و شکر تحمل و برداشت اور عزیمت و استقامت سے کام لیں اور ایسے موقع پر بھی بندگی و خود سپردگی تسلیم و رضا اور قناعت و عاجزی کا کس طرح اظہار کریں۔ اس واقعہ میں ہم ارباب اہتمام اور ذمہ داران مدارس کے لئے بھی عبرت و نصیحت کے انگنت پہلو ہیں کیا بہتر ہو کہ ہم اپنی عملی زندگی میں مولانا لاہوری رح کو اپنا نمونہ اور آئیڈیل بنانے کی کوشش کریں، اور ہمارا یہ فقر، فقر اختیاری کی بنیاد پر نہ کہ فقر اضطراری کی وجہ سے کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فقر بھی فقر اختیاری تھا نہ کہ فقر اضطراری۔